مطالعہ علوم اسلامیہ
اردو ترجمہ
کتاب الصّوم
من الهداية
تصدرها:
المكتبة العلمية
للطباعة والنشر والتوزيع
۱۵- لیک روڈ، لاہور
پاکستان

مطالعہ علوم اسلامیہ

كتاب الصوم

من الهدایه

پروفیسر غازی احمد

ایم اے (عربی، گولڈ میڈلسٹ)

ایم اے (علوم اسلامیہ، گولڈ میڈلسٹ)

ایم۔ او۔ ایل۔ بی۔ ایڈ

مولوی فاضل (میڈلسٹ)

منشی فاضل فاضل درس نظامی

المكتبة العلمية

لاہور ○ پاکستان

فہرس

كتاب الصوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتَابُ الصَّوم

روزے کا بیان

مسئلہ :

روزے کی دو قسمیں ہیں واجب اور نفل ۔ واجب روزے کی بھی دو قسمیں ہیں ۔ ایک وہ ہے جو ایک خاص زمانے سے تعلق رکھتی ہے ۔ جیسے رمضان کا روزہ اور نذر معین کا کا روزہ ۔ ایسے روزے کی نیت رات ہی سے کی جا سکتی ہے ۔ اگر صبح تک نیت نہ کی ہو تو صبح سے زوال تک کسی وقت بھی کی جا سکتی ہے ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ : (اگر صبح تک نیت نہ کی ہو تو بعد میں نیت کرنا) کافی نہ ہوگا ۔ (امام احمدؒ کا بھی یہی ارشاد ہے) ۔

جاننا چاہیے کہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں ۔ دلیل فرضیت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ یعنی تم پر روزے فرض کیے گئے ۔

نیز ان کی فرضیت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے ۔ اس لیے ان (کی فرضیت) کا منکر کافر ہے ۔

مسئلہ :

نذر کے روزے واجب ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ یعنی ان کو اپنی نذریں پوری کرنا چاہئیں ۔

مسئلہ :

پہلی قسم یعنی صوم رمضان کا سبب ماہ رمضان ہے ۔ اسی لیے یہ روزے رمضان کی طرف منسوب ہوتے ہیں ۔ اور ماہ رمضان کے بار بار آنے کی وجہ سے روزے بھی بار بار آتے ہیں ۔ رمضان کا ہر دن اس کے روزے کے واجب ہونے کا سبب ہوتا ہے ۔

مسئلہ :

دوسری قسم یعنی صوم نذر کا سبب نذر ہے اور نیت اس کی شرائط میں سے ہے ۔ اس امر کی مکمل تشریح وتوضیح ہم ان شاء اللہ نیت کے مسائل میں کریں گے ۔

مذکورہ اختلافی مسئلے میں امام شافعیؒ اپنی دلیل میں آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں :-

"جو شخص رات ہی سے روزے کی نیت نہ کر لے
اس کے روزے کا کوئی اعتبار نہیں ۔"

نیز نیت کے مفقود ہونے کی وجہ سے جب پہلا جزء فاسد ہوگیا تو دوسرا جزء خود بخود فاسد ہو جائے گا ۔ کیونکہ اس (فرض روزے) کو الگ الگ اجزاء میں تقسیم

نہیں کیا جا سکتا - (کہ پہلا جزء فاسد ہو اور دوسرا صحیح) بخلاف نفلی روزے کے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک وہ متجزی ہے -

[مثلاً کسی نے دن کے دس بجے روزے کی نیت کی تو امام شافعیؒ کے نزدیک طلوع فجر سے لے کر دس بجے تک نیت کے مفقود ہونے کی وجہ سے اس کے روزے کا یہ جزء فاسد ہے - اور فاسد چیز پر جو شے بھی مبنی ہوگی فاسد ہی ہوگی - امام شافعیؒ کے نزدیک فرض روزے کے الگ الگ جزء نہیں بن سکتے کہ پہلا جزء فاسد ہو اور دوسرا صحیح، ہاں نفلی روزے میں یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص دن کے گیارہ بجے روزے کی نیت کر لے تو گیارہ بجے سے اس کا روزہ شروع ہوگا اور جزء اول صوم میں شمار نہ ہوگا - امام شافعیؒ کے نزدیک یہ انقسام نفلی روزے میں جائز ہے فرضی میں نہیں] -

احناف کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو آپ نے ایک اعرابی کے رؤیت ہلال کی شہادت دینے کے بعد فرمایا (آپ نے حضرت بلالؓ کو یہ منادی کرنیکا حکم دیا) -

"دیکھو جس نے کچھ کھا پی لیا ہو وہ دن کے باقی حصے میں کچھ نہ کھائے پیئے اور جس نے (ابھی تک) کچھ بھی کھایا پیا نہ ہو وہ روزہ رکھ لے -"

امام شافعیؒ کی طرف سے پیش کی ہوئی روایت فضیلت و کمال کی نفی پر محمول ہے - (کہ جو شخص رات ہی سے روزے کی نیت نہ کر لے اس کے روزے کی فضیلت و کمال میں نقصان رونما ہو جاتا ہے) یا مذکورہ روایت کا مطلب

یہ ہے کہ جو شخص عقیدہ نہ رکھے کہ یہ روزہ رات سے ہے اس کا روزہ نہیں ہوتا اس نے جب سے روزے کی نیت کی اسی وقت سے روزہ ہے - یعنی: "لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَنْوِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ" میں من اللیل جار مجرور لم ینو کے متعلق نہ ہو بلکہ الصیام کے متعلق ہو - تو اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دن کے دس بجے روزے کی نیت کرے اور اس کا یہ ارادہ ہو کہ روزہ دس بجے ہی سے شروع ہو رہا ہے - رات یعنی طلوع فجر سے نہیں تو واقعی اس کا روزہ نہیں ہوگا اور حدیث کا یہ مفہوم ہمارے مسلک کے قطعاً خلاف نہیں) -

نیز رمضان المبارک کا دن روزے کا دن ہے اس لیے امساک دن کے آغاز ہی سے اس متأخر نیت پر موقوف ہوگا جو نفل کی طرح اس کے اکثر حصے سے متصل ہو - (یعنی اگر کوئی رات کو نفل روزے کی نیت نہ کرے اور دن کے نو دس بجے تک اسی حال میں رہے تو اس کا یہ امساک اس بات پر موقوف ہوگا کہ اگر نو دس بجے تک روزے کی نیت کر لے تو روزہ درست ہوگا کیونکہ نیت دن کے اکثر حصے میں موجود ہے اس لیے نیت کے متأخر ہونے سے شروع دن کا امساک بھی روزے میں شامل ہو جائے گا - لیکن اگر دن کے اکثر حصے میں نیت موجود نہ ہو - تو شروع دن کے امساک کو روزے کی حیثیت حاصل نہ ہوگی - یہی صورت صوم فرض کی ہے اگر دن کے اکثر حصے میں نیت موجود ہو

تو شروع دن کا امساک بھی روزے میں شمار ہوگا ورنہ روزہ نہ ہوگا) ۔ اور یہ اس لیے کہ روزہ ایک رکن واحد ہے جس میں طوالت پائی جاتی ہے اور نیت کا مقصد یہ ہے کہ روزے کی تعیین اللہ تعالیٰ کی ذات اور خوشنودی کے لیے ہو لہذا جب دن کے اکثر حصے میں نیت والا پہلو موجود ہے تو اس کثرت کی بنا پر لیجئے کو سارے دن میں موجود تسلیم کیا جائے گا ۔ بخلاف نماز اور حج کے کہ ان دونوں کے کئی ارکان ہوتے ہیں ۔ لہذا ان کی ادائیگی کے انعقاد کے وقت نیت کا اقتران شرط ہے ۔ (یعنی نماز اور حج روزے کی طرح رکن واحد نہیں ہوتے کہ نیت متاخرہ سے صحیح ہو جائیں ۔ بلکہ ان کو شروع کرتے وقت ہی نیت ضروری ہوتی ہے مثلاً نماز کی ایک رکعت کی ادائیگی کے بعد نیت کرنا درست نہ ہوگا ۔ کیونکہ جو رکن پہلے ادا کیا جا چکا ہے اس میں نیت مفقود ہے لہذا وہ رکن عبادت کا مقام حاصل نہیں کر سکتا ۔ الحاصل نماز اور حج متعدد ارکان پر مشتمل ہوتے ہیں لہذا ان میں نیت متاخرہ کا اعتبار نہ ہوگا بخلاف روزے کے کہ وہ رکن واحد ہے اس لئے اس میں متاخر نیت بھی قابل اعتبار ہو جاتی ہے) ۔

(سوال :۔ آپ کا کہنا ہے کہ روزہ رکن واحد ممتد ہے اس لیے نیت متاخرہ بھی قابل اعتبار ہے مگر صوم قضاء کی صورت میں آپ رات ہی سے نیت کرنا شرط ٹھہراتے ہیں حالیکہ صوم قضاء بھی رکن واحد ممتد ہے ۔ اس کے جواب میں مصنفؒ فرماتے ہیں کہ) بخلاف صوم قضاء کے کیونکہ وہ اس دن

کے روزے پر موقوف ہوتا ہے اور وہ نفلی روزہ ہے (یعنی ماہ رمضان کے علاوہ سال کے باقی ایام میں نفلی روزے مشروع ہوتے ہیں ۔ اور جب کوئی شخص نفلی روزے کی حیثیت تبدیل کرنا چاہے تو نیت رات سے ضروری ہوگی ۔ ورنہ وہ روزہ نفلی ہوگا کیونکہ یہی روزے باقی سال میں مشروع ہوتے ہیں) ۔

اگر زوال کے بعد نیت کرے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا ۔ کیونکہ اکثر اجزاء میں نیت کا فقدان ہے اور باقی ماندہ قلیل اجزاء میں بھی نیت معدوم متصور ہوگی ۔

امام قدوریؒ کے اس قول ''مَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الزَّوَال'' سے پتہ چلتا ہے کہ زوال سے پہلے پہلے ہی نیت کی جا سکتی ہے ۔ لیکن امام محمدؒ الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ نصف النہار سے پہلے پہلے نیت کا اعتبار ہوگا ۔ امام محمدؒ کا قول صحت کے زیادہ قریب ہے ۔ کیونکہ دن کے اکثر حصے میں نیت کا پایا جانا ضروری ہے ۔ اور دن کا نصف طلوع فجر سے چاشت تک ہوتا ہے نہ کہ زوال تک (مثلاً اکتوبر اور نومبر میں روزہ چار بجے صبح سے شروع ہو کر چھ بجے شام تک چودہ گھنٹے کا ہوتا ہے تو اس کا نصف دس گیارہ بجے تک ہوگا ۔) لہذا نیت کا اکثر حصے میں قابل اعتبار ہونا زوال سے بہت پہلے ہوگا ۔

مسئلہ :

نیت کے سلسلے میں مسافر اور مقیم دونوں برابر ہیں ۔

بخلاف امام زفرؒ کے (ان کے نزدیک مقیم دن کے اکثر حصے میں نیت کر سکتا ہے مگر مسافر کو یہ رعایت حاصل نہیں وہ رات ہی سے نیت کرے) امام زفرؒ کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ نیت کے مسائل میں ہم نے جن دلائل کا تذکرہ کیا ہے ان میں مسافر اور مقیم کا کوئی امتیاز نہیں (بلکہ دونوں کے احکام یکساں ہیں)۔

مسئلہ :

روزے کی یہ قسم (جس کا تعلق معین زمانے سے ہوتا ہے) مطلق نیت سے بھی ادا ہوسکتی ہے نفل کی نیت سے بھی نیز کسی اور واجب کی نیت سے بھی۔

امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ نفل کی نیت میں (امساک) عبث ہوگا (کہ اس سے نہ تو فرضی روزہ ادا ہوگا اور نہ نفلی) اور مطلق نیت کی صورت میں امام شافعیؒ سے دو قول منقول ہیں (ایک قول کے مطابق فرض ادا ہو جائے گا۔ مگر دوسرے قول کی بناء پر فرض ادا نہ ہوگا امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی بھی یہی رائے ہے) کیونکہ جو شخص نفل کی نیت کرتا ہے وہ گویا ادائے فرض سے اعراض کرتا ہے۔ لہذا فرض ادا نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ (معینہ اوقات میں) فرض ہی متعین ہے (کیونکہ رمضان المبارک فرض روزوں کے لیے ہی مقرر ہے) اس لیے اصل نیت ہی کافی ہوگی جیسے گھر میں متعین آدمی کے لیے اسم جنس کا استعمال کیا جائے (مثلاً زید اکیلا ہی گھر میں ہو اور اسے یَا إِنْسَانُ سے خطاب کریں تو اس

اسم جنس سے مراد زید ہی ہوگا - اسی طرح مطلق نیت سے بھی فرض روزہ ادا ہوسکتا ہے) لہذا جب اس نے نفل یا کسی اور واجب کی نیت کی تو اس نے ایک تو روزے اور ایک مزید وصف کی نیت کی (یعنی وصف نفل یا وجوب) اس میں وصف باطل ہو جائے گا اور اصل رہ جائے گا (روزے کی صحت کے لیے) یہی کافی ہے - (یعنی صوم نفل یا صوم واجب میں دو چیزیں ہیں صوم[1] اور نفل[2] یا واجب - ماہ رمضان کی تعیین کی بنا پر دوسری چیز لغو ہوگی اور پہلی چیز (یعنی اصل صوم) رہ جائے گی - لہذا فرض روزہ درست ہوگا) -

امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک مسافر ، مقیم ، تندرست اور بیمار میں کوئی فرق نہیں - (یعنی ان میں سے ہر ایک کا فرض روزہ مطلق نیت ، نفل کی نیت یا کسی اور واجب کی نیت سے بھی ادا ہو جائے گا) تاکہ معذور کو تکلیف اور مشقت لازم نہ آئے لیکن جب وہ تکلیف برداشت کرنے پر آمادہ ہو (اور روزہ رکھ لے) تو غیر معذور کے حکم میں شامل ہوگا -

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں مسافر اور مریض جب کسی دوسرے واجب کی نیت کر کے روزہ رکھیں - تو اس صورت میں وہی واجب روزہ ادا ہوگا -

کیونکہ اس نے اس وقت کو ایک اہم اور ضروری امر میں صرف کیا - اور واجب آخر پھر بھی اس پر واجب ہی ہے - اور رمضان شریف کے روزوں میں اسے عِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ تک اختیار حاصل ہے - (مثلاً کسی مسافر پر نذر کا روزہ

واجب ہے وہ اس خیال سے رمضان شریف میں اس کی ادا کرنا چاہے ۔ کہ بعد میں اسے موقع ملے یا نہ ملے ۔ تو وہ یہ روزہ رکھ سکتا ہے ۔ کیونکہ سفر میں رمضان کے روزے اس پر واجب نہیں بلکہ اسے اختیار ہے کہ ابھی رکھے یا بعد میں لیکن نذر کا روزہ اس پر اسی وقت واجب ہے اس لیے اس کا ادا کرنا ممکن ہے) ۔

مسافر یا مریض اگر نفلی روزے کی نیت کریں تو اس بارے میں امام اعظمؒ سے دو روایتیں ہیں (ایک روایت یہ ہے کہ وہ روزہ اس کی نیت کے مطابق نفلی ہوگا دوسری یہ کہ نفلی نہیں بلکہ فرض روزہ ادا ہوگا) دوسرے قول میں فرق کی وجہ یہ ہے ۔ کہ اس صورت میں اس نے وقت کو اہم اور ضروری امر میں مشغول نہیں کیا (یعنی جب رمضان کے روزے اس کے ذمہ ہیں تو نفلی روزوں کی نیت کیوں کرے نفلی روزے تو رمضان کے روزوں سے حیثیت میں کمتر ہیں ۔ لہذا نفل کی نیت سے فرض روزہ ہی ادا ہوگا) ۔

روزے کی دوسری قسم وہ ہے جو ثابت فی الذمۃ ہو ۔ جیسے ماہ رمضان کے روزوں کی قضاء یا کفارے کے روزے ایسے روزوں کے لیے رات (یعنی طلوع فجر) سے نیت کرنا ضروری ہے کیونکہ ان ایام میں کوئی روزہ متعین نہیں ہوتا اس لیے ابتداء ہی سے روزے کی تعیین ضروری ہے ۔

مسئلہ :

ہر قسم کا نفلی روزہ زوال سے پہلے پہلے نیت کر لینے سے جائز ہو جاتا ہے ۔ امام مالکؒ جواز کے قائل نہیں وہ

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد :

(لَا صِیَامَ لِمَنْ لَمْ یَنْوِ الصِّیَامَ مِنَ اللَّیْلِ)

کے اطلاق سے تمسک کرتے ہیں ۔ (کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد مطلق ہے جس میں فرض یا نفل کی کوئی قید نہیں) ۔

ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد ہے کہ جب آپ غیر صائم حالت میں (صبح کے بعد)گھر تشریف لاتے (اورگھر والوں سے دریافت فرماتے کہ کیا کھانے کو کچھ ہے اگر جواب اثبات میں ہوتا تو آپ تناول فرما لیتے اور اگر جواب نفی میں ملتا تو فرماتے) "اِنِّی اِذاً لَصَائِمٌ" یعنی تب میں روزہ رکھتا ہوں ۔

احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ (باقی دنوں میں) نفلی روزے ہی مشروع ہیں ۔ اس لیے دن کے ابتدائی حصے میں امساک نیتِ صوم پر موقوف ہوگا (کہ نیت کر لے تو روزہ ہوگا ورنہ نہیں) اس کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ۔ (یعنی قولہ لِاَنَّہ یَوْمُ صَوْمٍ فَیَتَوَقَّفُ الْاِمْسَاکُ فِی اَوَّلِہٖ) ۔

زوال کے بعد نیت کرنے کا جواز نہیں رہتا ۔ امام شافعیؒ جواز کے قائل ہیں ۔ لہذا ان کے نزدیک وقت نیت سے روزہ دار شمار ہوگا کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک روزے میں تجزی اور انقسام ممکن ہے شمار وہ فرماتے ہیں کہ نفلی روزے کا تعلق دل کی خوشی اور انبساط سے ہے ۔ اور شاید دلی انبساط

اسے زوال کے بعد ہی حاصل ہوا ہو ۔ البتہ اس میں ایک شرط یہ ہے کہ دن کے ابتدائی حصے میں امساک موجود ہو ۔ یعنی کچھ کھایا پیا نہ ہو اور بیوی سے مباشرت نہ کی ہو) ۔

ہمارے نزدیک وہ دن کے ابتدائی حصے (یعنی طلوعِ فجر) سے روزہ دار ہوگا ۔ کیونکہ روزہ ایسی عبادت ہے جس کا مقصد نفس پر غلبہ حاصل کرنا ہے اور اس عبادت کا تحقق امساک متعین (یعنی طلوعِ فجر سے شام تک) سے ہوتا ہے اس لیے اکثر حصے میں نیت کا پایا جانا ضروری ہے ۔

مسئلہ :

مناسب یہ ہے کہ لوگ شعبان کی انتیس کی شام کو چاند دیکھنے کی کوشش کریں اگر دکھائی دے تو (صبح سے) روزہ رکھ لیں ۔ اگر مطلع ابر آلود ہو (یا چاند نظر نہ آئے) تو شعبان کے تیس دن پورے کریں اور اگلے دن (رمضان کا) روزہ رکھیں ۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "(رمضان کا) چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور (شوال کا) چاند دیکھ کر افطار کرو ۔ اگر مطلع ابر آلود ہو (اور چاند نظر نہ آئے) تو شعبان کے تیس دن پورے کرو" ۔

نیز مہینے کی بقاء اصل چیز ہے اس لیے دلیل کے بغیر اس ماہ کا اختتام اور دوسرے ماہ کا آغاز جائز نہ ہوگا اور مذکورہ صورت میں دلیل موجود نہیں ۔ (یعنی مہینہ اصل میں تو تیس دن کا ہوتا ہے لہذا اگر انتیس شعبان کی شام کو چاند نظر نہ آئے تو دوسرے دن روزہ نہ رکھا جائے کیونکہ اصل کے لحاظ سے ابھی شعبان باقی ہے اس لیے بلا دلیل یعنی

چاند دیکھے بغیر اختتامِ شعبان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر مذکورہ شام کو چاند دکھائی دے تو دوسرے دن روزہ ضروری ہوگا کیونکہ کبھی قمری مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے)۔

مسئلہ :

شک کے دن فرض روزہ نہ رکھا جائے البتہ نفلی روزہ جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ایسے دن میں روزہ نہ رکھا جائے جس کے یومِ رمضان ہونے میں شک ہو البتہ نفلی روزہ جائز ہے" اس مسئلے کی کئی صورتیں ہیں۔

اول : (یومِ شک میں) رمضان کے روزے کی نیت کی جائے۔ یہ مکروہ ہے اس روایت کی بنا پر جس کا تذکرہ ابھی ہم نے کیا ہے نیز اس میں اہلِ کتاب سے تشبہ لازم آتا ہے کیونکہ انہوں نے فرض روزوں کی مدت میں اضافہ کر لیا تھا (اہل کتاب موسم گرما اور سرما کے مد نظر دنوں میں تغیر و تبدل کر دیتے تھے) اگر بعد میں (شہادتوں کی بنا پر) یقین ہو جائے کہ یہ رمضان کا پہلا دن ہے تو یہ روزہ رمضان ہی کا ہوگا کیونکہ اس نے ماہ رمضان کو پایا اور اس کا روزہ رکھ لیا۔ اگر پتہ چلے کہ یہ شعبان کا آخری دن ہے تو یہ روزہ نفلی ہوگا۔ اگر اسے توڑ دے تو قضاء لازم نہ ہوگی کیونکہ یہ روزہ معنوی لحاظ سے مظنون و مشکوک روزہ ہے (اور مظنون امر کی قضاء نہیں ہوا کرتی)۔

دوم : کسی دوسرے واجب روزے کی نیت کی جائے۔ مذکورہ روایت کے پیشِ نظر یہ بھی مکروہ ہوگا البتہ اس صورت میں کراہت پہلی صورت سے کمتر ہوگی (کیونکہ

مذکورہ صورت میں تشبّہ باہلِ کتاب تھا) بعد میں اگر پتہ چلے کہ یہ دن رمضان کا پہلا دن ہے تو روزہ رمضان کا شمار ہوگا کیونکہ اصل نیّت موجود ہے۔ اگر معلوم ہو کہ یہ شعبان کا آخری دن ہے تو بعض کے نزدیک روزہ نفلی ہوگا۔ کیونکہ یومِ شک میں روزہ ممنوع ہے۔ اس لیے اس سے واجب روزہ ادا نہ ہوگا۔

بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ جس واجب کی نیّت کرے وہی روزہ ادا ہوگا۔ اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ ممنوع امر تو یہ ہے کہ رمضان سے پہلے رمضان کا روزہ نہ رکھا جائے دوسری قسم کے روزوں سے ممانعت کا کوئی تعلق نہیں۔ بخلاف عید کے دن روزہ رکھنے کے کہ اس دن تو ہر قسم کا روزہ منع ہے۔ کیونکہ عید کے دن روزے سے ضیافتِ الٰہی کی اجابت سے انکار لازم آتا ہے۔

سوال: جب آپ نے یجزیہ عَن الّذی نَواہُ کہا تو پھر مکروہ قرار دینے کا کیا مقصد؟ مصنفؒ جواب میں فرماتے ہیں) چونکہ نہی موجود ہے (یعنی لَا یُصام الیوم الّذی یُشَکُّ فیہ انّہٗ من رَمَضَانَ إلّا تَطَوُّعاً) اس لیے نہی کے پیش نظر کراہت کا حکم دیا گیا۔

تیسری صورت یہ ہے۔ کہ (یومِ شک میں) نفلی روزے کی نیّت کرے۔ اس صورت میں کراہت نہ ہوگی۔ اس کی دلیل مذکورہ بالا روایت ہے۔ (قولُہٗ علیہ السلام إلّا تطوّعاً)

یہی حدیث امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائی طور پر نفلی روزہ بھی مکروہ ہے (ابتدائی طور کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً ہر جمعرات کو روزہ رکھتا ہے اتفاقاً یہی دن یوم شک بھی ہے۔ تو یہ عادی شخص روزہ رکھ سکتا ہے۔ مگر جو شخص اس دن کے روزے کا عادی نہ ہو تو وہ ابتدائی طور پر اس دن روزہ نہ رکھے ورنہ مکروہ ہوگا)۔

امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث—**لَا تَتَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ وَلَا بِصَوْمِ یَوْمَیْنِ**— کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کا روزہ مقدم نہ کیا جائے (یعنی یوم شک میں رمضان کے روزے کی نیّت نہ کی جائے) کیونکہ اس طرح صوم رمضان وقت سے پہلے ادا ہوتا ہے (اور یہ جائز نہیں)۔

اگر یوم شک اور عادت کے مطابق روزے کا دن اکٹھے ہو جائیں تو اجتماعی طور پر روزہ رکھنا افضل ہوگا۔ اسی طرح اگر ہر سال شعبان کے آخری تین یا زیادہ روزے رکھنے کا عادی ہو (تو بھی شک کے دن روزہ رکھنا افضل ہوگا) اگر صرف آخری دن روزہ رکھتا ہو تو محمد بن مسلمہؒ کے ارشاد کے مطابق افطار افضل ہوگا تاکہ نہی ظاہر (یعنی **لَا تَتَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ** سے اجتناب ہو سکے۔

بعض فقہاء، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی اقتداء کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (شعبان کے آخری دن) روزہ رکھنا افضل ہے۔ یہ دونوں حضرات اس دن روزہ رکھا

کرتے تھے ۔ لیکن مختار رائے یہ ہے کہ احتیاط کے پیش نظر مفتی خود تو روزہ رکھ لے اور عوام کو زوال تک انتظار کرنے کو کہے ۔ (اگر زوال تک چاند کی اطلاع نہ ملے) تو لوگوں کو افطار کرنے کا حکم دے تاکہ تہمت کے الزام کا امکان باقی نہ رہے (یعنی لوگ کہیں گے کہ مفتی صاحب نے ہم سے خواہ مخواہ روزہ رکھوایا ہے حالیکہ چاند کی کوئی اطلاع نہیں تھی) ۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اصل نیّت میں ہی تردّد ہو اور اس طرح نیّت کرے کہ اگر کل رمضان کا پہلا دن ہوا تو میرا روزہ ہوگا اور اگر شعبان کا آخری دن ہوا تو روزہ نہیں رکھوں گا ۔ اس صورت میں وہ روزہ دار نہ ہوگا کیونکہ اس نے کسی یقینی اور قطعی بات کی نیّت نہیں کی ۔ جیسے کوئی شخص یوں نیّت کرے کہ اگر کل کھانا مل گیا تو افطار کر لوں گا ورنہ روزہ رکھ لوں گا ۔ (تو اس صورت میں وہ روزہ دار نہیں ہوتا) ۔

پانچویں صورت یہ ہے ۔ کہ وصفِ نیّت میں تردّد ہو (اصل نیّت میں تردّد نہ ہو) مثلاً اس طرح نیّت کرے کہ کل اگر رمضان کی پہلی ہو تو رمضان کا روزہ رکھوں گا اور اگر شعبان کی آخری تاریخ ہو تو کوئی دوسرا واجب روزہ رکھ لونگا ۔

یہ صورت بھی کراہت سے خالی ہے کیونکہ اسے دو مکروہ امور میں تردد ہے (شک کے دن رمضان کا روزہ یہ دوسرا روزہ دونوں مکروہ ہیں) اگر بعد میں پتہ چلے کہ آج

رمضان کا پہلا دن ہے تو روزہ صحیح ہوگا کیونکہ نفس روزہ کی نیت میں کوئی تردد نہیں ۔ بلکہ تردد تو وصف نیت میں ہے) ۔ اور اگر یہ شعبان کا آخری دن ہو تو کسی دوسرے واجب کا روزہ درست نہ ہوگا ۔ کیونکہ تردد و شک کی بناء پر وصف نیت والی جہت معدوم ہے اور صرف اصل نیت کافی نہیں ۔ (کیونکہ تعیین مفقود ہے) البتہ وہ نفلی روزہ ہوگا اگر اسے توڑ دیا تو قضاء واجب نہ ہوگی کیونکہ اس نے روزے کو اسقاط واجب کے طور پر شروع کیا تھا : (یعنی اس نے رمضان یا کسی دوسرے واجب کی نیت سے اپنے ذمے سے واجب ساقط کرنا چاہا ۔ اور اسقاط واجب کی صورت میں اگر روزے کو ناتمام چھوڑ دیا جائے تو قضاء واجب نہیں ہوتی کیونکہ اس صورت میں ادا کردہ روزہ مشکوک ہو جاتا ہے اور مظنون اس کو اگر پایۂ تکمیل تک نہ پہنچایا جائے تو قضاء واجب نہیں ہوا کرتی) ۔

اگر یوں نیت کرے کہ کل رمضان کا پہلا دن ہوا تو رمضان کا روزہ رکھ لوں گا ۔ اور اگر شعبان کا آخری دن ہوا تو نفلی روزہ رکھوں گا ۔ تو یہ صورت بھی کراہت سے خالی نہیں ۔ کیونکہ اس نے من وجہ فرض روزے کی نیت بھی کی ہے ۔

اگر بعد میں پتہ چلا کہ یہ رمضان کا پہلا دن ہے تو یہ روزہ جائز ہوگا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (کہ اصل نیت میں تردد نہیں پایا جاتا) اور اگر معلوم ہوا کہ یہ شعبان کا آخری دن ہے تو نفلی روزہ جائز ہوگا کیونکہ نفلی

روزہ تو مطلق نیت سے بھی ادا ہوسکتا ہے ۔ اگر وہ اس نفلی روزے کو توڑ دے تو قضاء واجب نہ ہوگی کیونکہ اس کی نیت میں اسقاط واجب بھی شامل ہے ۔ (یعنی اس نے فرض روزے کی نیت بھی تو کی ہے ۔ اور یہ من وجہ اسقاط واجب عن الذمۃ ہے اس لیے یہ مظنون ہوگا اور مظنون امر کے توڑنے میں قضاء واجب نہیں ہوا کرتی) ۔

مسئلہ :

جو شخص تنہا ہی رمضان شریف کا چاند دیکھے اور امام اس کی شہادت قبول نہ کرے تو وہ خود (رمضان شریف کا) روزہ رکھے ، اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "چاند نظر آنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر (ہی) افطار کرو" اور مذکور شخص نے انفرادی طور پر تو چاند دیکھ لیا ہے اگر وہ افطار کر دے تو اس پر قضاء واجب ہوگی کفارہ لازم نہ ہوگا ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ بیوی سے مباشرت کر کے روزہ توڑ دے تو اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا ۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رمضان شریف کے روزے کو حقیقۃً اور حکماً دونوں طرح توڑنے کا مرتکب ہوا ہے) کیونکہ اسے رمضان شریف کے شروع ہونے کا یقین ہوچکا تھا اس لیے اس کا روزے کو توڑنا درحقیقت رمضان شریف میں وقوع پذیر ہوا ہے ۔ بلکہ حکماً بھی ایسا ہی ہے کیونکہ (چاند دیکھنے کی بناء پر) اس پر روزہ واجب تھا (امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے) ۔

احناف کا کہنا ہے کہ جب قاضی نے شرعی دلیل کی بنا پر اس کی شہادت رد کر دی۔دلیل شرعی سے مراد شہادت کے غلط ہونے کا الزام ہے۔(یعنی قاضی نے کہا کہ تم غلط شہادت دے رہے ہو) تو شبہ پیدا ہوگیا۔ اور اس قسم کے کفارات شبہ کی بنا پر ساقط ہو جایا کرتے ہیں۔ (کیونکہ جہاں یقین کی بجائے شبہ ہو وہاں کفارہ واجب نہیں ہوا کرتا اس لیے جب قاضی نے اس کی شہادت قبول نہ کی تو افطار حکماً رمضان میں نہ پایا گیا)۔

اگر وہ شخص قاضی کے شہادت کو رد کرنے سے پہلے ہی روزہ توڑ دے تو کفارے کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ (صحیح رائے یہ ہے کہ کفارہ واجب نہ ہوگا)۔

اگر وہ شخص (جس کی شہادت قبول نہیں کی گئی) تیس روزے پورے کر لے تو بھی امام (اور عوام) کے ساتھ ہی افطار کرے (اگرچہ اس کے روزے اکتیس ہوجائیں) کیونکہ اس پر (ابتداء میں) احتیاط کے پیش نظر روزہ واجب ہوا تھا اور تیس روزے پورے کرنے کے بعد بھی احتیاط اسی میں ہے کہ وہ افطار میں تأخیر کرے۔ (شاید کہ اس نے چاند دیکھنے میں غلطی کی ہو) لیکن اگر اس نے اگلے روز افطار کیا تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ اس نے ثابت شدہ حقیقت پر عمل کیا ہے (یعنی اس نے اپنی رؤیت اور دید کے مطابق تیس روزے پورے کر لیے ہیں)۔

مسئلہ :

اگر مطلع صاف نہ ہو تو امام رؤیت ہلال کے بارے میں

ایک عادل کی شہادت قبول کر سکتا ہے ۔ وہ عادل مرد ہو یا عورت ، آزاد ہو یا غلام ، کیونکہ یہ ایک دینی ام ہے اس لیے یہ (شہادت) روایت حدیث کے مشابہ ہوگی (یعنی جس طرح روایت حدیث میں ایک عادل شخص کی حدیث مقبول ہے اسی طرح ایک عادل شخص کی شہادت رؤیت ہلال کے بارے میں بھی معتبر ہوگی) بنابریں یہ خبر لفظ شہادت سے مخصوص نہیں ۔ (یعنی اس کا یہ کہنا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں'' ضروری نہیں ہے) عدالت کی شرط اس لیے ہے کہ دینی امور میں فاسق کا قول قابل قبول نہیں ہوتا ۔

امام طحاویؒ کے قول — کہ عادل ہو یا غیر عادل — کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص مستورالحال ہو ۔ (یعنی لوگوں کو اس کے عادل یا غیر عادل ہونے کا علم نہ ہو) ۔ علت سے مراد بادل یا غبار وغیرہ ہے (کہ مطلع ابر آلود ہو یا گرد و غبار چھایا ہو) ۔

امام قدوریؒ نے الواحد العدل کے الفاظ مطلق استعمال کیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حدقذف میں سزا یافتہ شخص بھی توبہ کر لینے کے بعد شہادت دینے کا اہل ہوسکتا ہے ۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے) صحابہ کرامؓ نے بھی ابی بکرۃؓ کی شہادت قبول کی تھی ۔ حالیکہ وہ محدود فی القذف تھے) کیونکہ یہ (شہادت) خبر کی حیثیت رکھتی ہے (اور محدود فی القذف کے خبر دینے پر اعتبار کیا جا سکتا ہے) ۔

امام اعظمؒ کا ارشاد ہے کہ محدود فی القذف کی خبر تسلیم نہ کی جائے کیونکہ رؤیت ہلال کی خبر ایک لحاظ سے

شہادت بھی ہے ۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ رؤیت ہلال کی شہادت کے لیے دو آدمیوں کا ہونا شرط ہے ۔ ہماری مذکورہ دلیل (لِأَنَّهُ أَمْرٌ دِينِيٌّ) امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے ۔

نیز یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رؤیت ہلال رمضان کے بارے میں ایک آدمی کی شہادت قبول فرمائی تھی ۔

اگر امام تنہا شخص کی شہادت قبول کر لے اور لوگ تیس روزے پورے کر لیں (مگر چاند نظر نہ آئے) تو اگلے دن افطار نہ کریں ۔ (بلکہ روزہ رکھیں) امام حسنؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے اسی طرح روایت کیا ہے نیز روزہ رکھنے ہی میں احتیاط کا پہلو نمایاں ہے ۔ کیونکہ ایک شخص کی شہادت سے ہلال عیدالفطر کا ثبوت نہیں ہوتا ۔ (یعنی ابتداءً ایک شخص کی شہادت کی بنا پر روزہ رکھا گیا تھا ۔ اگر تیس روزوں کے بعد چاند نظر نہ آئے تو روزہ رکھیں ۔ ورنہ ایک شخص کی شہادت سے جس نے رؤیت ہلال کی خبر دی تھی فطر لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں) ۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ (تیس روزے مکمل کرنے کے بعد) افطار کر دیں ۔ (کیونکہ کَمْ مِنْ شَيْءٍ يَثْبُتُ ضِمْنًا لَا يَثْبُتُ صَرَاحَةً چونکہ رمضانیت کا ثبوت فرد واحد کی شہادت کی بناء پر ہوا تھا تو فطر بھی طبعاً اسی شہادت پر مبنی ہوگا اگرچہ ابتدائی طور پر فرد واحد کی شہادت سے فطر

ثابت نہیں ہوتا ۔ یعنی اگر لوگ چاند دیکھ کر روزہ رکھیں اور انتیسویں روزے کی شام کو ایک شخص رؤیت ہلال کی کی شہادت دے تو فطر جائز نہ ہوگا لیکن مذکورہ مسئلے کی نوعیت اس سے مختلف ہے) جیسے کہ ایک دائی کی شہادت سے نسب ثابت ہو جاتا ہے ۔ اور حق وراثت بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے ۔ (ایک عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا اس کے خاوند نے نسب کی نفی کر دی کہ یہ بچہ تیرا نہیں بلکہ کسی اور کا ہے دائی نے گواہی دی کہ یہ اسی کا ہے تو صرف ایک دائی کی شہادت سے نسب ثابت ہوگا ۔ اور باپ کی وفات کے بعد بچہ اس کی جائیداد کا وارث ہوگا) ۔

مسئلہ :

اگر مطلع صاف ہو ۔ تو ایک شخص کی شہادت کافی نہ ہوگی جب تک کہ ایک ایسی کثیر جماعت چاند نہ دیکھے جن کی خبر سے قطعی اور یقینی علم حاصل ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں صرف ایک ہی آدمی کے چاند دیکھنے میں غلطی کا امکان بھی ہو سکتا ہے ۔ اس لیے (ایک آدمی کی شہادت قبول کرنے میں) توقف سے کام لیا جائے گا حتیٰ کہ ایک جماعت کثیرہ دیکھ لے ۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ مطلع صاف نہ ہو تو ممکن ہے کہ چاند کے سامنے سے تھوڑی دیر کے لیے بادل ہٹ جائے اور اتفاقاً کسی شخص کی نظر پڑ جائے ۔

جماعت کثیرہ کی مقدار کس قدر ہو ؟ بعض کے نزدیک اہل محلہ جماعت کثیرہ کے حکم میں ہوں گے امام ابو یوسف

اس صورت کو قسامت پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کم از کم پچاس آدمی ہوں ۔ (قسامت کی صورت یہ ہے کہ کسی محلے میں کوئی شخص مقتول پایا جائے تو اہل محلہ سے کم از کم پچاس آدمی قسم کھائیں) اہل شہر اور باہر سے آنے والوں میں کوئی امتیاز نہیں (اگر بیس آدمی شہر کے چاند دیکھیں اور تیس آدمی باہر سے آکر شہادت دے دیں تو جماعت کثیرہ کے حکم میں ہوں گے) ۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں شہر کے باہر سے آنے والے ایک شخص کی شہادت بھی قابل قبول ہوتی ہے ۔ کیونکہ (شہر سے باہرچاند نظر آنے میں)موانع کم ہوتے ہیں (کارخانوں کا دھواں اورگرد و غبار قسم کی رکاوٹیں نہیں ہوتیں ۔ اسلیے چاند نظر آنےکے امکانات زیادہ ہوتے ہیں) اور کتاب الاستحسان میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے ۔

اگر شہر میں کوئی شخص کسی بلند و بالا جگہ پر کھڑا ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے (کہ اگر وہ چاند دیکھ لے تو اس کی شہادت قابل قبول ہوگی مگر مختار مسلک یہی ہے کہ جماعت کثیرہ دیکھے کیونکہ اس دَور میں فسق و فجور کا بازار گرم ہے اس لیے فرد واحد کی شہادت ہلال عیدالفطر کے لیے کافی نہ ہوگی) ۔

مسئلہ :

جو شخص تنہا ہی عیدالفطر کا چاند دیکھے وہ بھی افطار نہ کرے احتیاط اسی میں ہے ۔ (ممکن ہے چاند دیکھنے میں اس کی نظر دھوکا کھا گئی ہو) اور روزے میں احتیاط

کا پہلو یہی ہے کہ روزہ رکھا جائے (نہ رکھنے میں عدم احتیاط ہے)۔

مسئلہ :

جب مطلع صاف نہ ہو تو ہلال فطر کے لیے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ فطر سے بندوں کی منفعت کا تعلق ہے ۔ لہذا اس کی حیثیت دوسرے حقوق العباد کی سی ہوگی (یعنی جس طرح باقی حقوق العباد میں دوگواہوں کا اعتبار ہوتا ہے؛ اسی طرح یہاں بھی ہوگا) ظاہرالروایۃ کے مطابق اس صورت میں عیدالاضحی کے احکام بھی عیدالفطر کی طرح ہوں گے (کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مقبول ہوگی) اور یہی صحیح ہے ۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کا حکم ہلال رمضان کی طرح ہے مگر ظاہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ عیدالاضحی سے بھی بندوں کی منفعت کا تعلق ہے اور یہ منفعت قربانی کے گوشت میں توسّع پیدا کرنا ہے (لہذا دو گواہوں کی ضرورت ہوگی) ۔

مسئلہ :

اگر مطلع صاف ہو تو جماعت کثیرہ کی شہادت کا اعتبار ہوگا ۔ کہ جن کی خبر سے قطعی اور یقینی علم حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ۔

مسئلہ :

روزے کا وقت طلوع فجر ثانی یعنی صبح صادق سے

سورج کے غروب ہونے تک ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔
" کھاؤ اور پیو حتی کہ سفید دھاگہ تمہارے لیے سیاہ دھاگے
سے واضح ہو جائے۔" پھر فرمایا "اپنے روزوں کو رات
تک پورا کرو ۔ سفید دھاگے سے دن کی سفیدی اور سیاہ
دھاگے سے رات کی سیاہی مراد ہے۔

مسئلہ :

روزہ شرع میں نیت روزہ کے ساتھ سارا دن کھانے،
پینے اور مباشرت سے باز رہنے کا نام ہے۔ کیونکہ لغوی طور
پر صوم امساک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر شرعی
لحاظ سے اس میں نیت کا اضافہ کیا گیا تاکہ عبادت اور عادت
میں تمیز ہو سکے (کیونکہ بعض اوقات انسان عادۃ بھی فاقہ
کر لیتا ہے)۔

امساک کا تعلق دن سے ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے
ہیں (ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) نیز دن رات کا اتصال
ممکن نہ تھا۔ (کہ پورا ماہ نہ دن کو کچھ کھائے پئے نہ رات کو
اس لیے ضروری تھا کہ دن اور رات میں سے کسی ایک کی روزے
کے لیے تعیین کر دی جائے) تو دن کو روزے کے لیے مخصوص
کرنا بہتر اور مناسب تھا۔ تاکہ خلاف عادت بھی ہو جائے
(کیونکہ عادۃً بھی لوگ رات کو کچھ کھاتے پیتے نہیں۔
بلکہ کھانے پینے کے اوقات دن ہی میں ہوتے ہیں) اور عبادت
کی بنیاد بھی خلاف عادت امور پر استوار کی جاتی ہے (ورنہ

رات کے روزے میں تو ذرا بھی تکلیف نہ ہوتی اور نفس کی تربیت کا مقصد رات کے روزے سے حاصل نہ ہو سکتا)۔

عورتوں کے روزے کی صحت کے لیے حیض و نفاس سے طہارت شرط ہے (حیض و نفاس والی عورتیں روزہ نہ رکھیں طہارت حاصل ہونے پر وہ قضاء کریں)۔

بَابُ مَا يُوجِبُ الْقَضَاءَ وَالْكَفَّارَةَ

ان امور کا بیان جن سے قضاء اور کفارہ واجب ہوتے ہیں ۔

مسئلہ :

روزہ دار اگر بھول کر کچھ کھائے ، پیئے یا مباشرت کرے تو (استحسان کے مد نظر) روزہ فاسد نہ ہوگا قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے کیونکہ روزے کا منافی امر پایا گیا اسی بنا پر امام مالکؒ روزہ ٹوٹنے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جیسے کوئی شخص اگر حالت نماز میں بھول کر بات چیت کرے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اسی اسی طرح بھول کر کھانے پینے سے روزہ بھی فاسد ہو جاتا ہے ۔

استحسان کی وجہ آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو آپ نے بھول کر کھانے پینے والے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اپنے روزے کی تکمیل کرو تمہیں تو اللہ تعالیٰ ہی نے کھلا پلا دیا ہے" ۔ جب بھول کر کھانے اور پینے کے بارے میں رعائت ثابت ہوئی تو مباشرت کے بارے میں بھی یہی رعایت پیش نظر ہوگی ۔ کیونکہ اکل و شرب اور مباشرت رکنیت کے لحاظ سے برابر ہیں بخلاف نماز کے کیونکہ ہیئت نماز بنفسہ یاد دلانے والی چیز ہے ۔ اس لیے نسیان غالب

نہیں ہوتا ۔ مگر روزے میں یاد دلانے والی کوئی چیز نہیں ہوتی اس لیے عموماً نسیان کا عارضہ پیش آ جاتا ہے ۔ فرض اور نفلی روزے میں کوئی فرق نہیں (فرض روزے کی طرح نفلی روزے میں بھی نسیان اور بھول چوک معاف ہے) کیونکہ نص (یعنی حدیث) میں کوئی تفصیل مذکور نہیں ۔

مسئلہ :

اگر کھانا پینا غلطی سے ہو یا جبر و اکراہ کی بناء پر ہو تو اس پر قضاء واجب ہو گی (خطاء کی صورت یہ ہے کہ روزہ‌دار وضو کرنے لگا اور کُلّی کرنے کے لیے منہ میں پانی ڈالا پانی حلق سے نیچے اتر گیا تو روزہ فاسد ہوگا کیونکہ اسے یاد بھی تھا کہ میں روزے سے ہوں) ۔ امام شافعیؒ خطاء اور اکراہ کے مرتکب کو بھی بھولنے والے پر قیاس کرتے ہیں ۔ علمائے احناف کا کہنا ہے (کہ امام شافعیؒ کا قیاس درست نہیں) خطاء اور اکراہ سے شاذ و نادر ہی سابقہ پیش آتا ہے مگر بھول چوک اکثر اوقات ہو جاتی ہے ۔

نیز نسیان اس ذات (یعنی شارع) کی طرف سے وجود میں آتا ہے جس کا بھولنے والے پر حق ہے ۔ لیکن اکراہ غیر کی طرف سے ہوتا ہے ۔ لہذا نسیان، خطاء اور اکراہ الگ الگ امور ہیں (اس لیے امام شافعیؒ کا قیاس درست نہ ہوا) جیسا کہ مقید اور مریض کی نماز کی قضاء کا الگ الگ حکم ہے ۔ (یعنی اگر کسی شخص کو زنجیروں میں اس طرح جکڑ دیا جائے کہ وہ کھڑا ہو کر نماز ادا نہ کر سکے اور بیٹھ کر پڑھے تو آزادی حاصل ہونے پر وہ نماز قضاء کرے کیونکہ اکراہ

غیر کی جانب سے تھا شارع کی طرف سے نہیں تھا ۔ لیکن مریض اگر بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور نماز کے بعد تندرست ہوجائے تو نماز کی قضاء نہ کرے کیونکہ مرض اسی ذات کی جانب سے تھا جسے اس پر حق حاصل ہے) ۔

مسئلہ :

روزہ دار کو سوتے میں اگر احتلام ہو جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا ۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ۔ ”تین چیزیں روزے کو ضائع نہیں کرتیں ۔ قے کرنا ۔ سینگی لگوانا ۔ اور احتلام ہونا،، نیز احتلام کو صوری اور معنوی دونوں لحاظ سے جماع نہیں کہا جا سکتا ۔ کیونکہ مباشرت کی وجہ سے شہوت کے ساتھ انزال ہونے کا نام جماع ہے (اور یہ امر احتلام کی صورت میں مفقود ہے) ۔ اسی طرح اگر کسی عورت کی طرف نظر کرنے سے منی خارج ہوجائے یعنی انزال ہو جائے (تو روزہ فاسد نہ ہوگا) جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں اور یہ اس شخص کی طرح ہوگا جس کی منی خیالات و تصورات کی بنا پر خارج ہوجائے ۔ (کوئی شخص کسی حسین و جمیل عورت کے تصور میں محو ہو اور اسے انزال ہو جائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا) ۔

بعض فقہاء کے قول کے مطابق مشت زنی کرنے والے کا روزہ بھی فاسد نہیں ہوتا (مگر مختار اور مفتٰی بہ قول یہ ہے کہ مشت زنی سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ۔ نَاکِحُ الْیَدِ مَلْعُونٌ“) ۔

مسئلہ :

(سر یا بدن پر) تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ تیل لگانا روزے کے منافی نہیں ۔ اسی بنا پر سینگی لگوانا (بھی مفسدِ صوم نہیں ہے) نیز ہم اس سلسلے میں حدیث بھی پیش کر چکے ہیں (ثَلٰثٌ لَا یُفَطِّرْنَ الصِّیَامَ) ۔

مسئلہ :

سرمہ لگانے سے بھی روزہ ضائع نہیں ہوتا کیونکہ **آنکھ** اور دماغ کے درمیان کوئی سوراخ یا راستہ نہیں (کہ سرمہ دماغ تک جا پہنچے) ۔

سوال : اگر دماغ اور آنکھ کے درمیان کوئی راستہ نہ ہوتا تو دماغ کا پانی آنسو بن کر آنکھوں سے کیسے ٹپکتا ؟

مصنفؒ جواب میں فرماتے ہیں ۔ کہ آنسو تو آنکھ سے نکلتے ہیں جیسے پسینہ (بدن کے مسامات سے خارج ہوتا ہے اسی طرح آنسو بھی مسامات سے نکلتے ہیں)

جو چیز مسام سے داخل ہو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا (اگرچہ پانی کی خنکی دل و دماغ تک پہنچ جاتی ہے مگر اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا)

مسئلہ :

عورت کا بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ (بوس

کنار کی صورت میں) انزال نہ ہو ۔ کیونکہ بوسہ لینا صوری اور معنوی لحاظ سے روزے کے منافی نہیں ہے ۔ بخلاف (طلاق رجعی سے) مراجعت اور حرمتِ مصاہرت کے (کہ وہ بوسے یا شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے سے ثابت ہو جاتی ہیں) کیونکہ ان میں حکم کا مدار سبب پر ہوتا ہے اس مسئلے کی تفصیلات إن شاء الله باب الرجعة اور باب المصاهرة میں بیان کی جائیں گی ۔

مسئلہ :

اگر بوسہ لینے یا لمس سے انزال ہو جائے تو روزے کی قضاء ضروری ہوگی کفّارہ لازم نہ ہوگا ۔ (قضاء اس لیے) کہ معنوی طور پر جماع پایا گیا اور صوری یا معنوی طور پر منافی اس کا پایا جانا احتیاط کے پیشِ نظر وجوبِ قضاء کے لیے کافی ہے ۔ لیکن کفّارے کا مدار کمال جنایت پر ہوتا ہے (اور مذکورہ صورت میں جماعِ کامل نہیں پایا جاتا) کیونکہ کفّارات بھی حدود کی طرح شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتے ہیں ۔

مسئلہ :

اگر مرد کو جماع یا انزال کا اندیشہ نہ ہو تو عورت کا بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اسے اپنے آپ پر اعتماد نہ ہو تو بوسہ کراہت سے خالی نہ ہوگا ۔ کیونکہ بوسہ اگرچہ بنفسہ مُفطِرِ صوم تو نہیں ۔ لیکن بسااوقات انجام اور انتہائے کار کے پیشِ نظر مُفسِد صوم بن جاتا ہے (جب کہ

جماع یا انزال تک پہنچا دے) اگر اندیشہ نہ ہو تو نفسِ بوسہ کا اعتبار کرتے ہوئے مباح ہوگا اور اگر اپنے آپ پر اعتماد نہ ہو تو انجام کے پیشِ نظر مکروہ ہوگا۔

امام شافعیؒ دونوں حالتوں میں (یعنی اپنے آپ پر اعتماد ہو یا نہ ہو) جوازِ بوسہ کے قائل ہیں۔ ہماری مذکورہ دلیل امام شافعیؒ کے خلاف حجّت ہے۔ ظاہرالروایہؒ کے مطابق مباشرت فاحشہ یہ ہے کہ بوسہ لے (یا برہنہ بدن ہو کر بغل گیر ہوں یا عورت کے فرج سے اپنے فرج کو مس کرے) امام محمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ مباشرتِ فاحشہ مکروہ ہے۔کیونکہ یہ اکثر اوقات باعثِ فتنہ ہوتی ہے۔

مسئلہ :

روزہ یاد ہونے کی صورت میں اگر مکھی حلق سے نیچے چلی جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا۔ کہ روزہ فاسد ہو جاتا۔ کیونکہ مُفطِر چیز معدے تک پہنچ گئی ہے۔ اور (ہم تسلیم کرتے ہیں کہ) مکھی اگرچہ غذاء کے طور پر تو استعمال نہیں ہوتی مگر یہ حکم میں مٹی اور سنگریزوں کی طرح ہونی چاہیے۔ (جس طرح مٹی اور سنگریزے کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح مکھی سے بھی ٹوٹنا چاہیے)۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مکھی سے بچاؤ عموماً ممکن نہیں ہوتا اس لیے اس کا حکم گرد و غبار اور دھوئیں جیسا ہوگا۔

بارش اور اولوں کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے

(بعض کا کہنا ہے ۔ کہ بارش مُفطِرِ صوم ہے اولے نہیں بعض نے اس کے برعکس کہا ہے اور بعض حضرات دونوں کو مفطِر کہتے ہیں) صحیح یہ ہے کہ دونوں سے روزہ فاسد ہوگا ۔ کیونکہ جب انسان خیمے یا مکان میں ہو تو بارش اور اولوں سے بچاؤ ممکن ہوتا ہے ۔

مسئلہ :

اگر کسی آدمی نے دانتوں میں اٹکا ہوا گوشت کھا لیا لیکن گوشت کی مقدار بہت کم تھی ۔ تو روزہ فاسد نہ ہوگا ۔ اگر گوشت کی مقدار زیادہ ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا ۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ روزہ دونوں صورتوں میں فاسد ہوگا ۔ کیونکہ منہ خارج بدن کے حکم میں داخل ہے (یعنی جس طرح باہر کی قلیل شے کے کھانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح دانتوں میں پھنسی ہوئی چیز کھانے سے بھی فاسد ہوگا) اسی لئے تو کلی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ۔

ہم امام زفرؒ کے جواب میں کہتے ہیں ۔ کہ قلیل گوشت تھوک کی طرح دانتوں کے تابع ہوتا ہے ۔ بخلاف کثیر کے کہ وہ دانتوں میں رہ نہیں سکتا ۔ کثیر اور قلیل میں حدِ فاصل چنے کی مقدار ہے چنے کی مقدار سے کم قلیل میں شامل ہوگا (اور گوشت کا وہ ریزہ جو چنے کے دانے کے برابر ہو یا بڑا ہو کثیر میں شامل ہوگا) ۔

مسئلہ :

اگر دانتوں میں اٹکے ہوئے گوشت کا ریزہ نکال کر ہاتھ

پر رکھا اور پھر کھا لیا تو روزہ فاسد ہو جانا چاہیے ۔ جیسا کہ امام محمدؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ اگر روزہ دار دانتوں میں اٹکا ہوا تل نگل جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر ابتداءً (یعنی باہر سے لے کر) کھائے تو روزہ فاسد ہوگا ۔ اگر چبالے تو روزہ ضائع نہیں ہوتا ۔ کیونکہ اس قدر قلیل شے دانتوں ہی میں گم ہو کر رہ جاتی ہے ۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چنے کی مقدار میں گوشت کھانے سے روزے کی قضاء ہوگی کفّارہ نہ ہوگا امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ بھی واجب ہوگا کیونکہ یہ (دانتوں میں پھنسا ہوا گوشت) طعام متغیر (یعنی سڑے ہوئےگوشت) کی حیثیت رکھتا ہے ۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ایسی چیز کھانے سے طبعیت نفرت کرتی ہے (اس لیے یہ غذاء نہ ہوگی اور جنایت کامل نہ ہوگی لہذا کفارہ واجب نہ ہوگا) ۔

جس شخص کو خود بخود قے آ جائے اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس شخص کو قے آ جائے اس پر روزہ قضاء نہیں'' (کیونکہ روزہ فاسد ہی نہیں ہوا) ۔ جوشخص عمداً قے کرے اس پر قضاء واجب ہے ۔

پہلی صورت میں (جبکہ قے خود بخود آئے) قے مُنہ بھر ہو یا کم ۔ کوئی فرق نہیں ۔ البتہ اگر پھر حلق میں لوٹ جائے اور مُنہ بھر ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہوگا ۔ کیونکہ قے ایک دفعہ خارج ہوگئی تھی اور

خارج چیز پھر پیٹ میں داخل ہو گئی حتی کہ اس سے وضو بھی جاتا رہتا ہے ۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ فطر کی صورت یعنی نکلنا نہیں پایا گیا اسی طرح معنوی طور پر بھی فطر موجود نہیں ۔ کیونکہ قے کو عادت کے مطابق بطورِ غذاء استعمال نہیں کیا جاتا ۔ (جب غذائیت نہ رہی تو روزہ بھی فاسد نہ ہوا) ۔ اگر قے کو خود لوٹائے تو متفقہ طور پر روزہ فاسد ہوگا کیونکہ ایک دفعہ خارج ہونے کے بعد اسے دوبارہ حلق میں داخل کیا گیا ۔ لہذا صورۃ افطار پایا گیا ۔

اگر منہ بھر قے سے کم خود بخود لوٹ جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ غیر خارج ہے (اور اس سے وضو بھی باطل نہیں ہوتا) نیز لوٹنے میں اس کی کسی حرکت کا دخل نہیں ۔ اگر خود لوٹائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگا کیونکہ خروج نہیں پایا گیا ۔ امام محمدؒ کے نزدیک فاسد ہوگا کیونکہ لوٹانے میں اس کی اپنی حرکت کو دخل ہے ۔

مسئلہ :

اگر جان بوجھ کر قے کرے اور منہ بھر ہو تو اس پر قضاء ہوگی ۔ جیسا کہ ہم روایت کر چکے ہیں (مَنِ اسْتَقَاءَ عَامِداً فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ) اور اس حدیث کے پیش نظر قیاس متروک ہوگا اور کفارہ لازم نہیں آئے گا کیوں کہ افطار کی

صورت نہیں پائی گئی ۔ (یعنی قے کو واپس نہیں لوٹایا گیا اس لیے معدہ میں کوئی شے داخل نہیں ہوئی) ۔

اگر قے منہ بھر سے کم ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک یہی حکم ہے کیونکہ حدیث مطلق ہے (اس میں منہ بھر یا کم مقدار کی کوئی شرط نہیں) ۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ منہ بھر سے کم مقدار میں قے خارج شمار نہیں کی جاتی ۔ (اسی بنا پر وضو بھی باطل نہیں ہوتا) ۔ اگر قے دوبارہ حلق میں چلی جائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ پھر بھی باطل نہ ہوگا کیونکہ جب خروج ہی متحقق نہیں (تو دخول کہاں رہا) اگر قے کو خود لوٹائے تب بھی ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ فاسد نہ ہوگا اس کی دلیل ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں ۔ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ روزہ فاسد ہو جائے گا عمل کثیر (یعنی خود قے کی کوشش کرنے اور پھر اعادہ کرنے) کی بنا پر امام ابو یوسفؒ نے اس صورت کو منہ بھر قے کی صورت سے لاحق فرمایا ہے ۔

مسئلہ :

اگر کوئی شخص سنگریزے یا لوہا نگل جائے اس کا روزہ جاتا رہے گا کیونکہ صورت افطار موجود ہے (کہ خارج سے کچھ اس کے پیٹ میں داخل ہوا ہے) مگر اس پر کفارہ نہ ہوگا کیونکہ معنوی طور پر افطار نہیں پایا گیا (اس لیے یہ اشیاء بطور غذاء استعمال نہیں کی جاتیں لہذا جنایت ناقص ہوگی اور کفارہ واجب نہ ہوگا) ۔

مسئلہ :

جو شخص عمداً لحد السبیلین (یعنی قُبل یا دُبر) میں مجامعت کرے اس پر قضاء واجب ہوگی تاکہ فوت شدہ مصلحت کی تلافی ہو سکے - (کیونکہ روزے کی مصلحت نفس پر غلبہ حاصل کرنا ہے مگر مجامعت سے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے - لہذا قضائے روزہ سے اس مصلحت کی تلافی کی جائے گی) (قضاء کے علاوہ) کفارہ بھی واجب ہوگا - کیونکہ جنایت یعنی جُرم کامل صورت میں موجود ہے (یعنی اِدْخَالُ الْفَرَجِ فِی الْفَرَجِ) - غسل پر قیاس کرتے ہوئے دونوں مقاموں میں انزال شرط نہیں (جس طرح صرف دخول سے غسل واجب ہو جاتا ہے اسی طرح صرف دخول ہی سے کفارہ واجب ہو جائے گا) کیونکہ شہوانی جذبات انزال کے بغیر بھی تکمیل پذیر ہو جاتے ہیں اور انزال توسیر ہونے کا نام ہے -

امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ مقام مکروہ میں مجامعت سے کفارہ واجب نہیں ہوتا - جسطرح اس سے حد واجب نہیں ہوتی (اسی طرح کفارہ بھی واجب نہ ہوگا) -

مُصنّفؒ فرماتے ہیں کہ مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ کفارہ واجب ہوگا کیونکہ قضائے شہوت کی بنا پر جُرم مکمل صورت میں موجود ہے -

مسئلہ :

اگر مُردے یا مویشی سے مجامعت کرے تو کفارہ واجب نہ ہوگا انزال ہو یا نہ ہو - امام شافعیؒ کو اس

میں اختلاف ہے (وہ وجوب کفارہ کے قائل ہیں) ۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ جنایت اس صورت میں کامل ہوتی ہے جبکہ مرغوب محل میں شہوانی جذبات کی تکمیل کی جائے۔ لیکن مذکورہ صورت میں محلِ مرغوب نہیں پایا جاتا ۔

احناف کے نزدیک مجامعت سے کفارہ جس طرح مرد پر واجب ہوتا ہے اسی طرح عورت پر بھی ضروری ہوگا ۔ امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق عورت پر واجب نہ ہوگا کیونکہ کفارے کا تعلق جماع سے ہے اور جماع مرد کا فعل ہے عورت تو محض محلِ فعل ہے ۔

امام شافعیؒ کے دوسرے قول کے مطابق عورت پر بھی غسل واجب ہوگا ۔ لیکن بارِ کفارہ کی ادائیگی کا متحمل مرد ہوگا ۔ (یعنی جس طرح مرد اپنی طرف سے غلام آزاد کرے گا اسی طرح عورت کی طرف سے بھی آزاد کرے گا) جیسا کہ غسل کے پانی کی صورت میں ۔ (کہ اگر پانی قیمۃ دستیاب ہو تو عورت کے غسل کے لئے بھی پانی مرد ہی فراہم کرے) ۔

ہماری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے ۔ ''کہ جو شخص رمضان میں روزہ فاسد کر دے تو اس پر وہی کفارہ واجب ہے جو ظِہار کرنے والے پر ہوتا ہے'' حدیث میں مذکور لفظ ''مَن'' مردوں اور عورتوں دونوں پر مشتمل ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ جنایت کا سبب افساد صوم یعنی روزے کا فاسد کرنا ہے ۔ نفس جماع نہیں (کیونکہ ویسے

تو اپنی بیوی سے مباشرت مباح ہے) اور سبب جنایت میں عورت بھی برابر کی شریک ہے۔ نیز مرد عورت کے کفارے کی ادائیگی کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ کیونکہ کفارہ یا تو عبادت ہے یا سزا ہے اور ان میں دوسرے کا بار اٹھانا ممکن نہیں (کیونکہ کفارہ اگر عبادت ہو تو ہر شخص صرف اپنے لیے ہی عبادت کر سکتا ہے دوسرے کے لیے نہیں اور اگر جنایت کی سزا ہے تو جنایت میں عورت بھی شریک ہے سزا صرف مرد ہی کو کیوں ملے ؟)

مسئلہ :

روزہدار اگر ایسی چیز کھائے یا پیے جو بطور غذاء استعمال ہوتی ہے یا بطور دوا۔ تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ جماع کے بارے میں بھی کفارے کا مشروع ہونا خلاف قیاس ہے۔ (قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ) گناہ توبہ سے معاف ہو جاتا (اور کفارے کی ضرورت نہ رہتی) لہذا خلاف قیاس امر پر دوسری چیز کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جماع کی صورت میں کفارہ کے واجب ہونے کا سبب وہ جنایت کاملہ ہے جس سے رمضان کا روزہ فاسد ہوا اور یہ جنایت مذکورہ صورت میں بھی متحقق ہے (لہذا کفارے ہی سے تلافی ممکن ہوگی) اور جب شرع نے غلام آزاد کرنے کو بطور کفارہ مقرر کر دیا تو معلوم ہؤا کہ توبہ سے یہ جنایت معاف نہیں ہو سکتی۔ (لہذا جماع

پر اکل و شرب کا قیاس کرنا درست ہوگا) ۔

روزے کا کفارہ

مسئلہ :

امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ روزے کا کفارہ ظہار کے کفارے کی طرح ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور حدیث اعرابی بھی اس سلسلے میں دلیل کی حیثیت رکھتی ہے اعرابی نے عرض کیا ۔ یا رسول اللہ ! میں برباد ہو گیا اور میں نے اپنے آپ کو تباہ کر ڈالا ۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا : تو نے کیا کیا ہے ؟ اعرابی نے جواب دیا : یا رسول اللہ ! میں نے رمضان شریف میں جانتے بوجھتے ہوئے دن کے وقت اپنی بیوی سے مباشرت کا ارتکاب کر لیا ہے ۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ''کہ ایک غلام آزاد کرو'' ۔ عرض کیا کہ میں تو اپنی گردن کے سوا کسی چیز کا بھی مالک نہیں ۔ آنحضرت نے فرمایا ''تو دو ماہ کے متواتر روزے رکھو'' عرض کیا ۔ یا رسول اللہ! یہ سب کچھ تو روزے ہی کی وجہ سے وقوع پذیر ہوا ہے (تو میں دو ماہ کے متواتر روزے کس طرح رکھسکتا ہوں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ۔''کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو'' عرض کیا ۔ کہ میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ۔ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کو ایک فرق (سولہ رطل) کھجوریں لانے کو فرمایا ۔ ایک روایت میں بعَرَق کا لفظ ہے ۔ (عرق بمعنی ٹوکرا ہے) جس میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں ۔ اور فرمایا کہ انہیں

مساکین میں تقسیم کر دو ۔ عرض کیا ۔ یا رسول اللہ! بخدا اس سنگلاخ مدینہ میں مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے زیادہ محتاج کوئی نہیں ۔ آپ نے فرمایا "تو خود بھی کھا اور اپنے اہل و عیال کو بھی کھلا ۔ لیکن یہ صورت صرف تجھے ہی کفایت کرے گی اور تیرے بعد کسی کے لیے جائز نہ ہو گی ۔"

یہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے وہ کفارے میں تخییر کے قائل ہیں (کہ مذکورہ تین امور ــ اعتاق ، صوم شہرین اور اطعام مساکین ــ سے جو چاہے کرے) ۔ حالانکہ حدیث سے ترتیب کا پتہ چلتا ہے ۔ (صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں مصنفؒ سے سہو ہوا ہے ۔ کیونکہ امام شافعیؒ تخییر کے نہیں بلکہ ترتیب کے قائل ہیں ۔ امام غزالیؒ نے وجیز اور خلاصہ میں اسی طرح ذکر کیا ہے ۔ بلکہ ہماری اپنی کتب مبسوط شیخ الاسلام اور مبسوط فخر الاسلام میں بھی اسی طرح مذکور ہے) یہ حدیث امام مالکؒ پر بھی حجت ہے کیونکہ وہ روزوں میں تتابع اور تواتر کے قائل نہیں ۔ حالانکہ حدیث تتابع پر نص ہے (کہ دو ماہ کے روزے متواتر رکھے جائیں) ۔

مسئلہ :

جس نے فرج کے علاوہ مجامعت کی اور اسے انزال ہو گیا تو اس پر قضاء ہوگی کیونکہ معنوی طور پر اجماع پایا گیا البتہ کفارہ واجب نہ ہوگا ۔ کیونکہ جماع صورۃ معدوم ہے ۔

مسئلہ :

رمضان کے علاوہ کسی دوسرے روزے کے توڑنے سے کفارہ لازم نہیں آتا ۔ کیونکہ رمضان میں روزے کا توڑنا کامل درجے کی جنایت ہوتا ہے لہذا دوسرے روزوں کو رمضان شریف کے روزوں کا مقام و رتبہ نہیں دیا جائے گا ۔

مسئلہ :

اگر کوئی شخص حقنہ کرائے ۔ یا ناک میں دوا ڈالے یا کان میں دوا کے قطرے ٹپکائے تو روزہ جاتا رہے گا ۔ آنحضرت[۴] ارشاد ہے ''بدن میں کسی چیز کے داخل ہونے سے روزہ جاتا ہے'' نیز مذکورہ صورتوں میں معنوی طور پر فطر پایا جاتا ہے ۔ یعنی اس چیز کا پیٹ تک پہنچ جانا جس سے بدن کی اصلاح ہوتی ہے ۔ البتہ کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ فطر صورۃً معدوم ہے (کہ مذکورہ اشیاء بطور غذاء استعمال نہیں کی جاتیں نہ منہ کے راستے کھائی ہی جاتی ہیں) ۔

مسئلہ :

اگر روزہ دار کانوں میں پانی کے قطرے ٹپکائے یا (نہاتے ہوئے) کانوں میں پانی داخل ہو جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا ۔ کیونکہ معنوی اور صوری دونوں لحاظ سے فطر موجود نہیں ۔ بخلاف کان میں تیل ڈالنے کے (کہ اس میں اصلاح بدن ہوتی ہے اس لیے معنوی فطر پایا جاتا ہے) ۔

مسئلہ :

اگر ایسے زخم پر — جو پیٹ تک یا دماغ تک گہرا ہے

دوا لگائے اور دوا پیٹ تک یا دماغ تک پہنچ جائے تو امام اعظمؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہوگا کیونکہ دوا کی رطوبت پیٹ یا دماغ تک پہنچ جاتی ہے (اگر خشک دوا ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا) صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کیونکہ دوا کے پیٹ یا دماغ تک پہنچنے کا وثوق نہیں ہوتا۔ کیونکہ کبھی تو زخم کا منہ بند ہوتا ہے (اور دوا آگے نہیں جاتی) اور گاہے زخم کا منہ کھلا ہوتا ہے (اس لیے دوا کے آگے جانے کا احتمال ہوتا ہے لہذا مذکورہ صورت میں یقین کامل نہ ہونے کی وجہ سے محض شک کی بنا پر فساد صوم ا حکم نہیں دیا جائے گا) جیسا کہ خشک دوا استعمال کرنے (روزہ ٹوٹنے کا حکم نہیں لگایا جاتا)۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب دوا کی رطوبت رحم کی رطوبت سے ملتی ہے تو اس کا میلان نیچے کی طرف ہوتا ہے۔ اور پیٹ تک جا پہنچتی ہے بخلاف خشک دوا کے، کیونکہ وہ زخم کی رطوبت کو اپنی طرف جذب کرتی ہے اور زخم کا منہ بند ہو جاتا ہے۔

مسئلہ :

اگر آلۂ تناسل کے سوراخ میں دوا ٹپکائے تو امام اعظمؒ کے نزدیک روزہ فاسد نہ ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فاسد ہوگا اور امام محمدؒ کا قول اس بارے میں مضطرب ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فساد کی وجہ یہ ہے کہ آلۂ تناسل کے سوراخ اور معدے کے درمیان راستہ ہوتا ہے جس سے پیشاب بھی نکلتا ہے۔ امام اعظمؒ کی رائے میں معدے اور

سوراخ ذکر کے درمیان مثانہ حائل ہوتا ہے اور پیشاب کا رستہ مثانہ ہی ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ تشریح فقہ سے متعلق نہیں (بلکہ طب کا مسئلہ ہے)۔

مسئلہ :

اگر روزہ دار کوئی چیز چکھ لے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ معنوی اور صوری دونوں لحاظ سے فطر نہیں پایا جاتا۔ البتہ چکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے روزہ فاسد ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے۔

مسئلہ :

عورت کو بچے کے لیے کھانے کی کوئی چیز چبانا بھی مکروہ ہے بشرطیکہ چبائے بغیر کام چل سکے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر اس کے چبائے بغیر چارۂ کار نہ ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ بچے کا بچانا بھی تو ضروری ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر عورت کو بچے کی جان کا خطرہ ہو تو اسے روزہ افطار کرنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ :

علک (ایک قسم کی گوند) چبانے سے روزہ نہیں جاتا۔ کیونکہ وہ پیٹ تک نہیں پہنچتی (بلکہ منہ ہی میں رہتی ہے)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جب اکٹھی اور مرکب نہ ہو (بلکہ منہ میں منتشر ہو) تو روزہ فاسد ہو گا کیونکہ اس کے بعض اجزاء پیٹ تک پہنچ جاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ سیاہ علک سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے خواہ مرکب بھی ہو

کیونکہ (چبانے سے اس کے اجزاء) منتشر ہو جاتے ہیں - بہرحال روزہ دار کے لیے اس کا استعمال مکروہ ہے کیونکہ اس سے روزے کے خراب ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے - اور (ممکن ہے کہ) اس پر افطار کی تہمت بھی لگائی جائے (کیونکہ دوسرے لوگ جب اسے علک چباتے دیکھیں گے تو یہی خیال کریں گے کہ یہ شخص روزے سے نہیں ہے) -

جب عورت روزے سے نہ ہو تو علک کا استعمال اس کے لیے مکروہ نہیں کیونکہ عورتوں کے لیے یہ مسواک کے قائم مقام ہے - فخرالاسلام کے کہنے کے مطابق مردوں کے لیے علک کا استعمال مکروہ ہے - ہاں اگر منہ میں کوئی تکلیف ہو (تو کوئی حرج نہیں) - بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ مردوں کے لیے علک کا استعمال مناسب نہیں کیونکہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے -

مسئلہ :

آنکھوں میں سرمہ لگانے اور مونچھوں کو تیل لگانے میں کوئی حرج نہیں - کیونکہ یہ انتفاع کی ایک ایسی قسم ہے جو روزے کے دوران ممنوع نہیں - بلکہ نبی اکرم ﷺ نے عاشوراء کے دن سرمہ لگانا اور روزہ رکھنا مستحب قرار دیا ہے - مردوں کے لیے سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان کا مقصد آنکھوں کی صفائی ہو زیب و زینت نہ ہو - مونچھوں کو تیل لگانا بھی مستحسن ہے - اگر محض زیب و زینت مطلوب نہ ہو کیونکہ تیل بھی خضاب کی طرح ہے (اور خضاب یعنی حناء لگانا سنت ہے) جب داڑھی مقدار

مسنون یعنی قبضہ کے برابر ہو تو اسے لمبا کرنے کے لیے تیل نہ لگایا جائے۔

مسئلہ :

روزہ دار کے لیے پہلے پہر یا پچھلے پہر تازہ مسواک استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''کہ روزہ دار کی عمدہ عادت مسواک کرنا ہے'' اس حدیث میں مسواک کی کوئی تفصیل نہیں (کہ تازہ ہو یا خشک) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پچھلے پہر مسواک کرنا مکروہ ہوگا کیونکہ اس سے اثر محمود یعنی منہ کی بو زائل ہو جاتی ہے تو یہ شہید کے خون کے مشابہ ہوگی (جس طرح شہید کا خون دھونا اور زائل کرنا جائز نہیں اسی طرح منہ کی بو زائل کرنا بھی مناسب نہیں) ۔

ہم کہتے ہیں کہ منہ کی بو عبادت کا اثر ہے لہذا اسے پوشیدہ رکھنا ہی مناسب ہوگا ۔ بخلاف خون شہید کے کہ وہ ظلم کا نتیجہ ہوتا ہے اس لیے اس کا اظہار مناسب ہوتا ہے)۔ سر سبز ، تروتازہ اور پانی سے تر کی ہوئی مسواک میں کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ۔ (لہذا جو مسواک چاہے استعمال میں لائے) ۔

فصل

(وہ امور جن کی بناء پر افطار جائز ہے)

مسئلہ :

اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں بیمار پڑ جائے اور

اسے اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے مرض میں اضافہ ہو جائے گا تو اس کے لیے افطار جائز ہے ۔ البتہ اس پر فوت شدہ روزوں کی قضاء واجب ہوگی ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مریض کے لیے اس وقت تک افطار جائز نہیں جب تک روزے سے جان کے جانے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو ۔ (امام شافعیؒ مرض کے بڑھنے کا اعتبار نہیں کرتے) تیمم میں بھی ان کا یہی مسلک ہے ۔ (کہ اگر جان جانے یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پانی کا استعمال ترک کیا جا سکتا ہے اور تیمم مباح ہوتا ہے ورنہ نہیں) ۔

علمائے احناف کا کہنا ہے کہ گاہے گاہے مرض کی شدت اور طوالت بھی ہلاکت کا سبب بن جایا کرتی ہے اس لیے مرض کا بڑھنا اور اس کا طول پکڑنا بھی ایسے امر ہیں جن سے بچاؤ ضروری ہے ۔

مسئلہ :

اگر مسافر کو روزہ رکھنے میں کوئی تکلیف نہ ہو تو اس کے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے ۔ اوراگر نہ رکھے تو بھی مباح ہے ۔ کیونکہ سفر میں عموماً تکلیف اور مشقت کا سامنا ہوتا ہے اس لیے سفر بجائے خود ہی عذر شمار ہوگا بخلاف مرض کے کیونکہ روزے سے بسا اوقات مرض میں تخفیف بھی ہو جاتی ہے (جیسے بد ہضمی وغیرہ کی صورت میں) اس لیے مرض میں شرط عائد کی گئی کہ موجب ضرر ہو (یعنی اگر روزے سے مرض میں اضافہ ہو تو افطار کرلے ورنہ روزہ رکھے) ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ (سفر میں) افطار افضل ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''سفر میں روزے رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں'' ۔

علمائے احناف کہتے ہیں دونوں مدتوں میں ماہ رمضان افضل ہے (یعنی رمضان شریف میں روزے رکھنا غیر رمضان میں روزے رکھنے سے افضل ہے کیونکہ رمضان کے اوقات دیگر اوقات سے افضل تر ہوتے ہیں) اس لیے رمضان شریف میں فرض کی ادائیگی اولیٰ و افضل ہوگی ۔ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث حالت مشقت پر محمول ہے ۔ (کہ جب سفر میں روزے سے اس قدر تکلیف کا سامنا ہو کہ انسان اپنے اہم اور ضروری امور کی انجام دہی سے قاصر ہو جائے تو ایسی صورت میں روزہ رکھنا اچھا کام نہ ہوگا) ۔

مسئلہ :

اگر مریض یا مسافر حالت مرض یا سفر میں وفات پاجائیں تو ان پر قضاء واجب نہ ہوگی کیونکہ وہ دوسرے دنوں سے اتنی میعاد نہ پا سکے (یعنی نہ تو مریض کو ایام صحت میسر آئے اور نہ مسافر کو ایام اقامت کہ جن میں وہ روزے قضاء کر سکتے) ۔

مسئلہ :

اگر مریض کو افاقہ ہو جائے یا مسافر اقامت اختیار کر لے اور پھر ان کی وفات واقع ہو تو بقدر صحت و اقامت ان پر قضاء واجب ہوگی ۔ کیونکہ انہوں نے دوسرے دنوں

میں اس قدر میعاد کو پالیا تھا (کہ جس میں اپنے فوت شدہ روزے قضاء کر سکتے) ۔ قضاء لازم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے کی وصیت کر جائیں (کہ ان کی طرف سے روزوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے) امام طحاوی نے اس مسئلے میں شیخین اور امام محمد کے اختلاف کا تذکرہ کیا ہے (کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک تمام روزوں کی قضاء لازم ہوگی اس لیے تمام روزوں کے متعلق فدیہ کی وصیت کرے اور امام محمد فرماتے ہیں کہ صحت یا اقامت کی میعاد پیش نظر ہو گی ۔ اور اسی میعاد کے مطابق ہی قضاء اور فدیے کا لزوم ہوگا) صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ امام طحاوی نے جو بات بیان کی ہے وہ درست نہیں ۔ (کیونکہ شیخین کا قول بھی امام محمد سے مطابقت رکھتا ہے) البتہ روزۂ نذر کے بارے میں ان حضرات کا اختلاف ہے۔ (مثلاً کسی مریض نے نذر مانی کہ میں ایک ماہ کے روزے رکھوں گا تو شیخین کے نزدیک اس پر تمام روزوں کی قضاء ہوگی اور تمام روزوں کے فدیہ کی وصیت کرے گا لیکن امام محمد کے نزدیک قضاء بقدر ایام صحت ہوگی) ۔

ائمہ کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام اعظم اور ابو یوسف کے نزدیک نذر ماننا روزوں کے واجب ہونے کا سبب ہے اور یہ وجوب روزوں کے قائم مقام یعنی فدیہ میں بھی اثر انداز ہوگا ۔ (مثلاً ایک مریض اگر ایک ماہ کے روزوں کی نذر مانے اور بحالت مرض ہی فوت ہو جائے تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا ۔ لیکن اگر کچھ عرصہ بعد تندرست

ہو جائے اور کوئی روزہ رکھے بغیر بعد میں وفات پا جائے تو اس قضاء لازم ہوگی کیونکہ تندرست ہونے کی وجہ سے وجوب کا سبب پایا گیا لیکن وہ چونکہ روزے نہیں رکھ سکا اس لیے یہی وجوب روزوں کے قائم مقام یعنی فدیہ میں ظاہر ہوگا۔ اور اس کے مال سے روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا) اور اس پر مسئلہ میں (جو متن میں مذکور ہے) روزوں کے واجب ہونے کا سبب میعاد یعنی ایام تندرستی کا پایا جانا ہے تو جتنا عرصہ وہ تندرست یا مقیم رہا اسی کے مطابق قضاء ضروری ہوگی۔

مسئلہ :

رمضان شریف کے روزوں کی قضاء میں انسان کو اختیار ہے کہ لگاتار روزے رکھے یا متفرق طور پر۔ کیونکہ ارشاد باری — فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ — مطلق ہے (جس میں اتصال یا افتراق کی کوئی شرط نہیں) لیکن اتصال یعنی متواتر روزے رکھنا مستحب اور مستحسن ہے تاکہ امر واجب کی ادائیگی کی ذمہ داری سے جلد ہی سبکدوش ہو سکے۔

مسئلہ :

اگر روزوں کی قضاء میں اس قدر تاخیر کر دے کہ دوسرا ماہ رمضان شروع ہو جائے تو اب موجودہ رمضان کے روزے رکھے۔ کیونکہ یہ موجودہ رمضان ہی کا وقت ہے۔ قضاء روزے بعد میں رکھے۔ کیونکہ رمضان کے بعد سارا وقت قضاء کے لیے ہے اور (اس تأخیر کی وجہ سے) اس پر فدیہ

واجب نہ ہوگا کیونکہ قضاء کا وجوب (فی الفور نہیں ہوا کرتا بلکہ) قضاء کرنے والے کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ حتی کہ وہ قضاء روزوں کے ہوتے ہوئے بھی نفلی روزے رکھ سکتا ہے۔ (اگر قضاء کی ادائیگی کا وجوب فی الفور ہوتا تو نفلی روزے جائز نہ ہوتے)۔

مسئلہ :

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کو اگر جان کا خوف ہو یا بچے کے متعلق خطرہ لاحق ہو تو وہ رمضان شریف کے روزے افطار کرکے بعد میں قضاء کر سکتی ہیں۔ ورنہ انہیں روزے رکھنے سے خواہ مخواہ دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور ان پر کفارہ بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کا افطار عذر کی بنا پر ہے اور ان پر فدیہ کی ادائیگی بھی نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس عورت کو روزے رکھنے کی وجہ سے بچے کے متعلق اندیشہ ہو۔ (اور وہ روزے نہ رکھے تو) اس پر فدیہ لازم ہوگا۔

امام شافعیؒ اس صورت کو شیخ فانی پر قیاس کرتے ہیں (کہ جس طرح شیخ فانی پر روزے نہ رکھنے کی صورت میں فدیہ لازم ہے اسی طرح ان عورتوں پر بھی ہوگا)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ شیخ فانی کے سلسلے میں بھی فدیہ خلاف قیاس ہے اور مذکورہ صورت میں افطار بچے کی وجہ سے ہے۔ لہذا یہ صورت شیخ فانی سے مختلف ہے۔ کیونکہ شیخ فانی پر تو روزے واجب ہیں البتہ وہ ادا سے قاصر ہے۔ لیکن بچے پر روزوں کے وجوب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(لہذا جب دونوں صورتیں قطعاً مختلف ہیں تو آپ کا قیاس کرنا درست نہ رہا ۔ ہمارا مسلک پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا) ۔

مسئلہ :

وہ شیخ فانی جسے روزہ رکھنے پر قدرت نہ ہو افطار کر سکتا ہے لیکن وہ ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے جیسا کہ دوسرے کفارات میں کھلایا جاتا ہے ۔ اس مسئلے میں اللہ تعالی کے اس ارشاد ۔ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ـ کو دلیل کی حیثیت حاصل ہے ۔ بعض حضرات نے 'لَا' مقدر کہا ہے أي لَا يُطِيقُونَهُ (مصنفؒ کے نزدیک لا مقدر نہیں ۔ بلکہ ابتدائے اسلام میں فدیہ اور روزہ میں اختیار تھا ۔ اغنیاء فدیہ دیا کرتے تھے اور غرباء روزے رکھتے ۔ مگر بعد میں یہ رعایت اس آیت ـ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ـ سے منسوخ ہو گئی اور ہر مسلمان پر روزہ فرض کر دیا گیا ۔ اسی بنا پر مصنف نے لفظ قیل استعمال کیا ہے ۔ کذا قال السید عبدالحیؒ) ۔

فدیہ دینے کے بعد اگر شیخ فانی روزے پر قادر ہو جائے تو فدیہ باطل ہوگا کیونکہ حنفیہ کے نزدیک استمرار عجز شرط کی حیثیت رکھتا ہے ۔ (یعنی آدمی ہمیشہ کے لیے اس کام کے کرنے سے عاجز ہو جائے) ۔

مسئلہ :

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے رمضان

کے روزوں کی قضاء ہو اور وہ (مرنے سے پہلے) وصیت کرجائے۔ تو اس کا ولی اس کی طرف سے ہر روزے کے عوض ایک مسکین کوگندم کا نصف صاع .یا کھجور یا جوکا ایک صاع (فدیے کے طور پر) دے۔ کیونکہ وہ (مرنے والا) آخری عمر میں ادائیگی سے قاصر رہا اس لیے شیخ فانی کے حکم میں داخل ہوگا۔

احناف کے نزدیک (فدیہ ادا کرنے کی) وصیت کرنا ضروری ہے (اگر وصیت نہ کرے تو ولی پر فدیہ ادا کرنا لازم نہ ہوگا۔ ہاں اگر ولی اپنے طور پر ہی ادا کر دے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے) اما شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مرنے والا وصیت کرے یا نہ کرے وارثوں پرفدیہ کی ادائیگی واجب ہوگی۔ زکاۃ میں بھی اسی طرح اختلاف ہے (ہمارے نزدیک اگر وصیت کرے تو ادائیگی واجب ہوگی ورنہ نہیں)۔

امام شافعیؒ اسے قرض پر قیاس فرماتے ہیں (مثلاً اگر مرنے والے کے ذمے قرض ہو اور وہ وصیت نہ کرے تب بھی وارثوں کو قرض ادا کرنا ہوگا اسی طرح فدیہ بھی) کیونکہ ہر مالی حق میں نیابت جاری ہوتی ہے۔ (یعنی اگر خود موجو دنہ ہو تو اس کے وارث ہی اس کے نائب اور قائم‌مقام ہوں گے)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ فدیہ عبادت ہے اور عبادت میں اختیار کا ہونا ضروری ہے۔ یہ اختیار وصیت سے تو حاصل ہو جاتا ہے مگر وراثت سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وراثت تو جبری امر ہے۔ (یعنی فدیہ عبادت کا درجہ رکھتا ہے اور عبادت میں اختیار کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جبرواضطرار سے عبادت نہیں ہوا کرتی۔ وصیت سے اختیار حاصل ہو جاتا

ہے ۔ لیکن صرف وراثت سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وراثت تو بہر صورت ورثاء کو ملتی ہے خواہ مرنے والا وصیت کرے یا نہ کرے ۔ لہذا فدیہ کو عبادت بنانے کے لیے وصیت ضروری ہوگی) ۔

وصیت کرنا ابتداءً تبرع اور بھلائی کی حیثیت رکھتا ہے حتی کہ مال کی ایک تہائی تک اس کا اعتبار ہوگا ۔ (یعنی وصیت کرنا ابتداءً مرنے والے پر فرض نہیں بلکہ یہ بھلائی اور نیکی ہے کہ فقراء و غرباء کو بھی کچھ نہ کچھ مدد مل جائے ۔ ورنہ اس پر وصیت کرنا لازم نہیں بلکہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ خیرات و صدقہ میں کچھ دے یا نہ دے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ فدیے کا تعلق مال سے ہوتا ہے اور روزے کا بدن سے ۔ اگر اس بدنی پہلو کو مد نظر رکھا جائے تو اس پر مال کی وصیت کرنا ضروری نہیں ۔ کیونکہ صوم مالی شے نہیں لیکن اگر وصیت کر دے تو اس کا ایفاء مال کے ثلث تک وارثوں پر واجب ہوگا) ۔

استحسان کے پیش نظر مشائخ نے نماز کو بھی روزے جیسا قرار دیا ہے (کہ اگر فوت شدہ نمازوں کے متعلق مرنے والا وصیت کرے تو ورثاء ان نمازوں کا فدیہ ادا کریں گے) ہر نماز کو ایک روزے پر قیاس کیا جائے گا یہی صحیح ہے ۔ (یعنی ایک نماز کا فدیہ ایک روزے کے فدیے کے برابر ہوگا) (مذکورہ مسئلے میں قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ نماز کے فدیہ کا جواز نہ ہوتا ۔ کیونکہ زندگی میں بھی مال نماز کا عوض نہیں ہوتا اس لیے موت کے بعد بھی نہ ہوگا ۔ جیسا کہ روزے

میں ہوتا ہے کہ شیخ فانی روزے کے عوض میں مال بطور فدیہ دے سکتا ہے۔ استحسان مشائخ کی وجہ یہ ہے کہ بدنی عبادت ہونے میں نماز بھی روزے سے مشابہت رکھتی ہے)

مسئلہ :

ولی میت کی طرف سے نہ تو روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ نماز ادا کر سکتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''کہ کوئی شخص نہ تو کسی طرف سے روزہ رکھے ور نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے''۔

مسئلہ :

جو شخص نفل نماز یا نفل روزہ شروع کرکے توڑدے تو اس پر قضاء واجب ہوگی۔ امام شافعی (اور امام احمد) فرماتے ہیں کہ قضاء ضروری نہیں۔ (امام مالک فرماتے ہیں کہ قضاء واجب ہوگی البتہ اگر عذر کی بناء پر توڑے تو قضاء ضروری نہیں) کیونکہ جو کچھ وہ ادا کر چکا ہے وہ بھلائی اور نیکی ہے۔ اور جس جزء میں اس نے تبرع سے کام نہیں لیا وہ اس پر لازم نہ ہوگی۔ (یعنی جو چیز فرض نہ ہو۔ بلکہ اپنی خوشی سے ادا کی جائے۔ وہ جس قدر ادا ہو جائے نیکی میں شمار ہوگی اور جو ادا نہیں کی گئی وہ لازم نہ ہوگی۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ''مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيل''۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ادا کردہ حصہ عبادت اور عمل صالح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اس عبادت اور عمل

صالح کی تکمیل کر کے اسے باطل اور بے کار ہونے سے بچانا واجب ہے۔ (یعنی ادھوری عبادت اور عمل کو لغو ہونے سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ اسے پورا کیا جائے) جب اسے پورا کرنا ضروری ہے تو اس کو نامکمل چھوڑنے پر قضاء بھی واجب ہوگی۔

احناف کے ایک قول کے مطابق عذر کے بغیر افطار مباح نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ البتہ عذر کی حالت میں جائز ہوگا۔ ضیافت بھی ایک عذر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سلسلے میں فرمایا کہ "افطار کر لو اور پھر کسی دن قضاء کر لینا"۔

مسئلہ :

اگر بچہ رمضان کے دنوں میں بالغ ہو جائے یا کافر رمضان شریف میں اسلام لے آئے تو دن کے بقیہ حصے میں کچھ نہ کھائیں پئیں تا کہ روزہ داروں کے ساتھ مشابہت اختیار کر کے وقت کے حقوق کو پورا کر سکیں۔

اگر وہ کھاتے پیتے رہیں تو ان پر قضاء نہ ہوگی کیونکہ بقیہ دن میں ان پر روزہ واجب نہیں (بلکہ صرف امساک ضروری تھا) البتہ اس دن کے بعد روزے رکھیں۔ کیونکہ اب ان میں سبب واہلیت دونوں موجود ہیں۔ اس دن اورگذشتہ دنوں کے روزوں کی قضاء نہ ہوگی۔ کیونکہ ان ایام میں وہ حکم صوم کے مکلف و مخاطب ہی نہ تھے۔ مگر نماز کا یہ حکم نہیں ہے (بلکہ جس نماز کے وقت میں بلوغ یا اسلام پایا گیا اس نماز کی قضاء واجب ہوگی) کیونکہ نماز کا سبب وجزء

ہوتا ہے جو اداء سے متصل ہوتا ہے اور نماز کے وقت میں اہلیت پائی گئی (اس لیے اگر وقت کے اندر ادا نہ کریں تو قضاء واجب ہوگی)۔ لیکن روزے کا سبب دن کا جزء اول ہوتا ہے اور اس وقت ان میں اہلیت ہی معدوم تھی۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر زوال سے پہلے پہلے کافر اسلام لے آئے یا بچہ بالغ ہو جائے تو ان پر اس دن کے روزے کی قضاء ہو گی کیونکہ انہوں نے نیت کا وقت پا لیا ہے (کہ زوال سے پہلے پہلے روزے کی نیت کی جا سکتی ہے) ظاہر (یعنی متن میں مذکور مسئلے کی وجہ یہ ہے۔ کہ وجوب کے لحاظ سے روزے میں انقسام نہیں ہوتا اور پہلی جز کے وقت اہلیت وجوب مجوود نہ تھی)۔

فقہاء کا کہنا ہے کہ بچہ اگر زوال سے قبل بالغ ہوجائے (اور اس نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہ ہو) تو نفلی روزے کی نیت کر سکتا ہے۔ لیکن ایک کافر اس طرح نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تو نفلی روزے کی اہلیت سے بھی محروم ہوتا ہے مگر مسلم بچے میں اہلیت موجود ہوتی ہے۔

اگر کوئی مسافر (ماہ رمضان کے علاوہ کسی دن سفر کی بنا پر) افطار کی نیت کر لے۔ لیکن پھر اپنے شہر میں لوٹ آئے۔ اور زوال سے قبل روزے کی نیت کر لے تو یہ نیت کافی ہوگی۔

کیونکہ سفر نہ تو اہلیت وجوب کے منافی ہے اور نہ صحت شروع کے (یعنی سفر میں فرض روزے کی نیت بھی کی جا سکتی ہے اور روزہ شروع بھی کیا جا سکتا ہے)۔

اگر رمضان میں (سفر اور واپسی کی) یہ صورت پیش آئے تو اس کے لیے رمضان شریف کا روزہ ضروری ہوگا کیونکہ جواز افطار کا سبب یعنی سفر نیت کرنے کے وقت یعنی زوال سے پہلے پہلے زائل ہو چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دن کے ابتدائی حصے میں اگر کوئی شخص مقیم ہو پھر سفر اختیار کرے تو جانب اقامت کی ترجیح کے پیش نظر اس کے لیے فطر جائز نہ ہوگا۔ تو اس صورت میں (جب کہ مسافر زوال سے پہلے مقیم ہوجائے) بدرجۂ اولی مباح نہ ہوگا۔ کیونکہ جب اقامت کے بعد مسافر بنے تو جواز افطار کا سبب یعنی سفر موجود ہوتا ہے مگر افطار مباح نہیں ہوتا۔ اور اس صورت میں تو جواز افطار کا سبب یعنی سفر بھی ختم ہو گیا ہے تو افطار کیونکر مباح ہوگا)۔

ہاں اگر مذکورہ دونوں صورتوں میں افطار کر لے تو کفارہ لازم نہ ہوگا کیونکہ شبہۂ اباحت یعنی سفر دونوں حالتوں میں (کسی نہ کسی صورت) موجود ہے (پہلی صورت میں سفر ابتدائی حصے میں ہے اور دوسری میں آخری حصے میں)۔

مسئلہ :

اگر کسی شخص پر رمضان میں بے ہوشی طاری ہو جائے تو وہ اس دن کے روزے کی قضاء نہ کرے جس میں بے ہوشی کا عارضہ پیش آیا تھا۔ کیونکہ اس کا روزہ موجود ہے۔ اس لیے کہ روزہ نام ہے امساک بالنیۃ کا۔ اور نیت و امساک دونوں مذکورہ حالت میں موجود ہیں۔ مابعد کے

روزے قضاء کرے۔ کیونکہ ان دنوں میں بے ہوشی کی وجہ سے نیت مفقود ہوتی ہے۔

مسئلہ :

اگر کوئی شخص رمضان شریف کی پہلی رات کو بےہوش ہو جائے تو وہ پہلے روزے کے علاوہ دوسرے تمام روزوں کی قضاء کرے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے (کہ اس نے بےہوش ہونے سے پہلے پہلے صبح کے روزے کی نیت ضرور کی ہوگی۔ اس لیے پہلا روزہ تو صحیح ہوگا۔ مگر باقی روزوں کے حق میں نیت مفقود ہے)۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مابعد کے روزوں کی قضاء بھی نہ کرے کیونکہ ان کے نزدیک رمضان کے روزے ایک بار کی نیت ہی سے ادا ہو سکتے ہیں جیسا کہ اعتکاف (کہ اس میں ہر روز نئی نیت کی ضرورت نہیں ہوتی)۔

ہم کہتے ہیں۔ کہ ہر روز نئی نیت ضروری ہے ہر روزہ ایک الگ اور مستقل عبادت ہے کیونکہ ہر دو روزوں کے درمیان ایک ایسے عرصے کا فاصلہ ہوتا ہے جو اس عبادت کا زمانہ نہیں ہوتا۔ بخلاف اعتکاف کے (کیونکہ اعتکاف میں تو راتیں بھی اس کا حصہ ہوتی ہیں)۔

مسئلہ :

اگر کوئی شخص رمضان کا پورا مہینہ بیہوش رہے تو وہ تمام روزوں کی قضاء کرے۔ کیونکہ غشی ایسا مرض ہے جس سے قوائے بدن تو مضمحل ہوجاتے ہیں لیکن عقل زائل نہیں

ہوتی لہذا بیہوشی تأخیر کے لیے تو عذر بن سکتی ہے مگر اسقاط کے لیے نہیں (یعنی بےہوشی کی بنا پر روزے مؤخرہو جاتے ہیں مگر بالکل ساقط نہیں ہوتے) ۔

مسئلہ :

اگر کسی شخص پر رمضان کا پورا مہینہ دیوانگی طاری رہے تو وہ بعد میں روزے قضاء نہ کرے ۔
امام مالکؒ جنون کو بےہوشی پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قضاء واجب ہوگی ۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ روزے کو ساقط کرنے والی چیز حرج اور تکلیف ہے اور بےہوشی عموماً پورا مہینہ طاری نہیں رہتی اس لیے کوئی خاص حرج لازم نہیں آتا ۔ مگر جنون تو کئی کئی ماہ بلکہ سالہا سال تک باقی رہتا ہے اس لیے قضاء سے حرج لازم آتا ہے ۔

مسئلہ :

مجنون کو اگر کچھ دن گذرنے کے بعد افاقہ ہو جائے تو گذشتہ ایام رمضان کے روزوں کی قضاء بھی کرے ۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عدم اہلیت کی بنا پر اس پر ادا واجب نہ رہی (یعنی جتنے دنوں جنون طاری رہا اس عرصے میں وہ ادا کی اہلیت سے محروم تھا) اور قضاء اہلیت پر ہی مترتب ہوتی ہے ۔ (یعنی قضاء اس صورت میں لازم ہوتی ہے جبکہ وہ شخص ادائیگی کا اہل ہو ۔ مگر مجنون گذشتہ ایام میں اس اہلیت سے عاری تھا) گویا پورا رمضان اس پر جنون طاری رہا ۔ علمائے احناف کی دلیل یہ ہے

کہ سبب وجوب یعنی ماہ رمضان موجود ہے اور اہلیت کا مدار ذمہ داری پر ہوتا ہے ۔ (یعنی جب رمضان کے بعض دنوں میں تندرست ہوگیا تو روزوں کی ذمہ داری اس پر ثابت ہوگئی ۔ اور اس کے ثابت ہونے سے اہلیت خود بخود ثابت ہو جائے گی ۔ اس لیے ماضی کی قضاء کرے گا) اور ایسے شخص پر روزے کے واجب ہونے کا فائدہ بھی ہے اور روزے کا اس طور پر ادا کرنا ہے کہ اسے ادا کرنے میں حرج نہ ہو بخلاف اس شخص کے کہ جس پر جنون پورا ماہ طاری رہے کیونکہ اسے ادا کرنے میں حرج کا سامنا ہوگا اس لیے وجوب میں کوئی فائدہ نہیں ۔ اس مسئلے کی پوری تفصیل کتب خلافیات میں موجود ہے ۔

جنون اصلی اور عارضی میں کوئی فرق نہیں (جنون اصلی یہ ہے کہ جنون کی حالت ہی میں حد بلوغ تک پہنچے ۔ اور جنون عارضی وہ ہے جو بلوغت کے بعد لاحق ہو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں یعنی اگر عارضی یا اصلی جنون پورا ماہ طاری رہے تو قضاء نہ ہوگی ۔ اگر کچھ دن افاقہ ہو جائے تو قضاء ماضی ضروری ہوگی) بعض فقہاء کہتے ہیں کہ یہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ہے ۔ مگر امام محمدؒ دونوں میں فرق کے قائل ہیں ۔ کیونکہ جب وہ جنون کی حالت میں بالغ ہوا تو بچپن ہی سے عارضہ جنون لاحق شمار ہو گا اور خطاب شرع اس کے حق میں معدوم ہوگا ۔ یعنی جس طرح بچہ مکلف بالاحکام نہیں ہوتا اسی طرح یہ مجنون بھی مکلف بالاحکام نہ ہوگا ۔ اگر رمضان میں کسی دن اسے افاقہ ہوگیا تو گذشتہ

روزوں کی قضاء اس کے ذمہ نہ ہوگی کیونکہ خطاب افاقہ ہونے پر اس پر اثر انداز ہو رہا ہے) بخلاف اس صورت کے کہ جب عقل و ہوش قائم ہونے کی حالت میں بالغ ہو اور بعد میں جنون کا عارضہ لاحق ہو بعض متأخرین نے امام محمدؒ کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔

مسئلہ :

جو شخص پورے رمضان میں نہ تو روزے کی نیت کرے اور نہ افطار کی تو روزوں کی قضاء اس پر واجب ہوگی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ تندرست اور مقیم شخص کا رمضان کا روزہ بغیر نیت کے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ امساک اس پر واجب ہوتا ہے، تو امساک جس طرح بھی ہو (یعنی نیت ہو یا نہ ہو) اس سے روزہ ادا ہو جائے گا۔ جیسا کہ پورا نصاب ہی فقیر کو دے دے تو زکاۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ خواہ نیت کرے یا نہ کرے۔

مصنفؒ نے مقیم اور تندرست کی قید اس لیے لگائی ہے کہ مسافر اور مریض کے حق میں شعبان و رمضان برابر ہیں وہ جب تک روزہ کی نیت نہ کریں گے روزہ ادا نہ ہوگا)۔

ہماری دلیل یہ ہے۔ کہ رمضان شریف کے دنوں میں امساک یعنی کھانے، پینے اور جماع سے باز رہنا بطور [illegible] واجب ہے اور عبادت نیت کے بغیر متصور نہیں ہو سکتی۔ لیکن نصاب کے ہبہ کرنے کی صورت میں نیت قربت و عبادت بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ کتاب الزکاۃ میں بیان ہوچکا ہے۔

مسئلہ :

جو شخص روزے کی نیت نہ کرتے ہوئے صبح کرے اور کچھ کھا پی لے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ واجب ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک نیت کے بغیر بھی روزہ ادا ہو جاتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ زوال سے پہلے کھائے تو کفارہ واجب ہوگا کیونکہ اس نے امکان صوم کو ضائع کر دیا (یعنی زوال سے پہلے تو ممکن تھا کہ وہ نیت کر کے روزے کی تکمیل کر لے۔ مگر کھا لینے سے اس نے یہ امکان ضائع کر دیا) تو یہ غاصب الغاصب کی طرح ہوگا۔ (مثلاً ا نے ب سے کوئی چیز چھین لی، وہی چیز ا سے ج نے چھین لی تو اب ب کو حق حاصل ہے کہ وہ ا سے مطالبہ کرے۔ یا ج سے۔ کیونکہ ج ہی نے غاصب اول کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالی ہے اور غاصب اول سے حصول کا امکان ضائع کر دیا ہے اس لیے وہ بھی اس چیز یا اس کی قیمت کا ذمہ دار ہوگا اسی طرح مذکورہ شخص نے بھی زوال سے پہلے کھانے سے حصول صوم کا امکان ضائع کر دیا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا)۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ کفارے کا تعلق روزہ فاسد ہوتا ہے اور یہ متنازع فیہ صورت روزے سے حتناب و امتناع کی ہے۔ کیونکہ نیت کے بغیر روزہ ہی نہیں ہوتا۔ (یعنی اگر روزہ رکھ کر فاسد کرتا تو اس پر کفارہ لازم ہوتا مگر اس نے روزہ رکھا ہی نہیں اس لیے کفارے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا)۔

مسئلہ :

اگر کسی عررت کو (ماہ رمضان میں) حیض یا نفاس آ جائے تو افطار کر دے اور روزوں کی قضاء کرے بخلاف نماز کے کیونکہ نمازوں کی قضاء میں اسے حرج لاحق ہوتا ہے کتاب الصلوۃ کے باب الحیض میں یہ مسئلہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے ۔

مسئلہ :

اگر دن کے کسی حصے میں مسافر گھر آ جائے یا عورت حیض سے پاک ہو جائے تو دن کے باقی حصے میں وہ کچھ نہ کھائیں پئیں ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کھانے پینے سے رکنا ضروری نہیں ۔ امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ کا یہی اختلاف ہر اس شخص کے بارے میں ہے جس میں وجوب روزہ کی اہلیت دن کے کسی حصے میں ظہور پذیر ہو اور دن کے ابتدائی حصے میں معدوم ہو ۔ (مثلاً زوال کے بعد کافر مشرف باسلام ہو یا بچہ حد بلوغت تک پہنچ جائے یا مجنون کو افاقہ ہو جائے تو ہمارے نزدیک دن کے بقیہ حصے میں کھانے پینے سے اجتناب ضروری ہوگا ۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہ ہوگا) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ روزہ دار سے مشابہت (یعنی کھانے پینے سے اجتناب) بھی روزے کے قائم مقام ہے ۔ لہذا یہ مشابہت بھی اسی شخص کے لیے ضروری ہوگی ۔ جو اصل کی اہلیت رکھتا ہے جیسا کہ جان بوجھ کر یا غلطی سے افطار کرنے والا (یعنی روزہ دار کی مشابہت اور کھانے پینے سے احتراز روزے کا نائب ہے اور یہ اس شخص

پر واجب ہوگا جو اصل یعنی روزے کی اہلیت رکھتا ہے جیسے کوئی شخص غلطی سے یا عمداً روزہ افطار کر دے تو دن کے باقی حصے میں کچھ نہ کھائے پیے - لیکن جس میں ابتدائی طور پر روزے کی اہلیت ہی نہ ہو اس کے لیے کھانے پینے سے احتراز کرنا بھی ضروری نہ ہوگا) -

علمائے احناف کی دلیل یہ ہے - کہ روزہ‌دار سے مشابہت روزے کے قائم مقام نہیں ہوتی بلکہ یہ وقت کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے ہوتی ہے. کیونکہ روزے کا وقت قابلِ احترام وقت ہے - (اس لیے مناسب یہی ہے کہ جو شخص روزہ دار نہ بھی ہو وہ بھی احترامِ صوم اور عظمتِ رمضان کے مدِ نظر کچھ نہ کھائے پیے) بخلاف حیض اور نفاس والی عورت ، مسافر اور مریض کے کہ ان پر عذر کے ہوتے ہوئے اکل و شرب سے اجتناب واجب نہیں ہے - کیونکہ روزہ دار سے مشابہت تو درکنار نفسِ روزہ کا مانع موجود ہے - (یعنی جس طرح حیض ، نفاس ، مرض اور سفر فرضیتِ صوم سے مانع ہیں- اسی طرح یہ عذر بھی روزہ دار کی مشابہت سے مانع ہوں گے - حیض یا نفاس والی عورت کےلیے روزہ رکھنا حرام ہے - اور حرام امر کی مشابہت بھی حرام ہی ہوتی ہے ۔ مریض اور مسافر کو افطار کی رعایت حاصل ہے اگر ہم ان کے لیے بھی کھانے پینے سے اجتناب ضروری قرار دے دیں تو رعایت کے کیا معنی) ؟

مسئلہ :

امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سحری

کھانے میں مصروف ہو اور اس کے خیال میں ابھی صبح صادق کا وقت نہ ہوا ہو۔ حالانکہ (درحقیقت) فجر طلوع ہو چکی ہو یا کوئی یہ خیال کرتے ہوئے کہ سورج غروب ہوچکا ہے افطار کر دے لیکن در اصل سورج غروب نہ ہوا ہو۔ تو دن کے باقی حصے میں کھانے پینے رہیں۔ تاکہ حتی الامکان وقت کے تقاضے کو پورا کیا جا سکے۔ اور تہمت سے بچا جا سکے۔ (ورنہ لوگ الزام لگائیں گے کہ اس نے روزہ رکھا ہی نہ تھا) اس پر قضاء واجب ہوگی۔ کیونکہ ادا (کا جب کہ وہ فوت ہو جائے) ایک ایسا ضروری حق ہے جس کا اس کے مثل سے ایفاء کرنا ضروری ہے (ادا کی مثل قضاء ہے) جیسا کہ مریض اور مسافر کے سلسلے میں (یعنی جس طرح مریض پر مرض کے بقدر اور مسافر پر سفر کے بقدر قضاء واجب ہوتی ہے) اس پر کفارہ نہ ہوگا کیونکہ عدمِ قصد کی بنا پر جنایت قاصرہ ہے (کاملہ نہیں کیونکہ اس نے اپنے خیال کے مطابق صحیح وقت پر روزہ رکھا یا افطار کیا تھا)۔

اسی قسم کا عارضہ پیش آنے پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا ''کہ ہم نے عمداً اور قصداً گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ ایک دن کی قضاء ہمارے لیے آسان ہے'' فجر سے مراد فجرِ ثانی ہے اس کی تفصیل ہم کتاب الصلاۃ میں بیان کر چکے ہیں۔

(علی بن حنظلۃؓ اپنے والد حنظلۃؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رمضان شریف میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؓ کے پاس پینے کی کوئی چیز لائی گئی۔ آپؓ کا اور دیگر صحابہؓ کا خیال تھا کہ سورج غروب ہو گیا

ہے ۔ چنانچہ آپ نے اور بعض دیگر حضرات نے مشروب نوش کیا تھوڑی دیر بعد مؤذن نے کہا ۔ حضرت! سورج تو ابھی غروب نہیں ہوا ۔ آپ نے فرمایا : جو افطار کر چکے ہیں وہ ... • اور رکھیں اور جنہوں نے ابھی تک افطار نہیں کیا وہ پنے روزے کو پورا کریں ۔ نیز فرمایا ۔ کہ ہم نے جان بوجھ کر غلطی نہیں کی ۔ ایک دن کی قضاء آسان ہے) ۔

مسئلہ :

سحری کھانا مستحب ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ ''کہ سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہوتی ہے'' ۔

مسئلہ :

سحری میں تأخیر مستحب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''کہ تین باتیں انبیائے کرام کے اخلاق سے ہیں :

(۱) افطار میں عجلت کرنا ۔
(۲) سحری میں تأخیر کرنا ۔ اور
(۳) مسواک کرنا'' ۔

البتہ اگر فجر میں شک ہو یعنی جب دونوں گمان برابر ہوں (کہ شاید ابھی کھانے کے لیے وقت باقی ہے ۔ یا شاید صبح طلوع ہونے والی ہے) تو افضل یہ ہے کہ کھانا پینا چھوڑ دے تاکہ ایک ممنوع چیز سے بچاؤ ہو سکے ۔ لیکن شک کی بناء پر کھانا پینا چھوڑنا واجب نہیں ہے ۔ اگر اس

نے کھا لیا تو روزہ مکمل ہو گا کیونکہ اصل تو رات کی بناء ہے ۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسے مقام پر ہو جہاں سے طلوعِ فجر کا پتہ نہ چل سکے ۔ یا رات چاندنی ہو یا بادل چھائے ہوئے ہوں یا اس کی بصارت میں کمزوری ہو اور اسے (طلوعِ فجر میں) شک ہو تو کچھ نہ کھائے ۔ اگر اس نے کھایا تو برائی کا ارتکاب کیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''کہ جو چیز دل میں اضطراب پیدا کرے اسے چھوڑ دو اور وہ چیز اختیار کرو جس میں اطمینان (قلب) ہو'' ۔

اگر اس کا غالب خیال یہ ہو کہ میں نے طلوعِ فجر کے بعد کھایا ہے تو اس غالب خیال کو ترجیح دیتے ہوئے اس پر قضاء واجب ہوگی اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے ۔ ظاہرالروایہ کے مطابق اس پر قضاء نہ ہوگی ۔ کیونکہ یقین (محض شک کی بنا پر زائل نہیں ہوتا بلکہ اس جیسے) یقین ہی سے زائل ہوتا ہے ۔

اگر بعد میں یقین حاصل ہو جائے کہ فجر طلوع ہوگئی تھی تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا ۔ کیونکہ اس نے روزے کی بناء اصل پر رکھی تھی (اس کے خیال کے مطابق تو رات) تھی لہذا افطار میں اس کا قصد نہ پایا گیا ۔

مسئلہ :

اگر غروب آفتاب میں شک ہو تو افطار جائز نہ ہوگا کیونکہ اصل تو دن ہے ۔ اگر وہ افطار کرے تو اصل (یعنی

دن) کے پیش نظر اس پر قضاء ہوگی ۔ اگر اس کی غالب رائے ہو کہ اس نے غروب سے پہلے افطار کیا ہے تو بالاتفاق اس پر قضاء واجب ہے کیونکہ دن کو اصل کی حیثیت حاصل ہے۔ (روایۃً واحدۃً کا یہ مطلب ہے کہ اس مسئلہ میں صرف یہی روایت ملی ہے اور فی روایۃ کا یہ مطلب ہے کہ اس مسئلہ میں دیگر روایات بھی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے) ۔

اگر غروب آفتاب کے بارے میں (غالب رائے نہ ہو بلکہ) شک ہو اور بعد میں پتہ چلے کہ سورج غروب نہیں ہوا تھا تو اصل یعنی دن کے پیش نظر مناسب یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہو ۔ (اس مسئلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ قضاء پر تو سب متفق ہیں ۔ مگر کفارے میں اتفاق نہیں ۔ جامع شمس الائمہ میں کفارہ واجب قرار دیا گیا ہے ۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ واجب نہ ہوگا) ۔

مسئلہ :

اگر کسی نے رمضان میں بھول کر کچھ کھا لیا اور اس نے خیال کیا کہ میرا روزہ تو جاتا رہا اس کے بعد عمداً کھا پی لیا ، تو اس پر قضاء واجب ہوگی کفارہ نہ ہوگا ۔ کیونکہ اس نے شبہ کو قیاس کی طرف منسوب کیا تو شبہ متحقق ہوگیا (یعنی اس شخص نے قیاس کیا کہ جب میں نے بھول کر کھا لیا ہے تو میرا روزہ جاتا رہا اور اس کا خیال قیاس کے موافق بھی تھا اس لیے شبہ متحقق ہو گیا اور کفارہ

واجب نہ رہا کیونکہ شبہ کی وجہ سے کفارات ساقط ہو جایا کرتے ہیں) ۔

اگر اسے حدیث (نسیان) کا علم ہو تو بھی ظاہرالروایۃ کے مطابق کفارہ واجب نہ ہوگا حدیث یہ ہے :

"مَنْ نَسِیَ وَھُوَ صَائِمٌ فَأَکَلَ أَوْ شَرِبَ فَلْیُتِمَّ صَوْمَہُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَہُ اللہُ وَ سَقَاہُ ۔" (یعنی مذکور شخص اگر اس حدیث سے واقف بھی ہو تب بھی قضاء ہی واجب ہوگی کفارہ نہ ہوگا) ۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کفارہ واجب ہوگا ۔ طرفین سے بھی اسی طرح مروی ہے ۔ کیونکہ جب حدیث کا علم ہوگیا (کہ بھول کر کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا) تو کوئی اشتباہ نہ رہا اور شبہ متحقق نہ ہو سکا (اور اسے حدیث کے مقابلے میں اپنے قیاس کو ترک کرنا چاہیے تھا) ۔

ظاہرالروایۃ کی وجہ یہ ہے ۔ کہ قیاس کے پیش نظر شبہ حکماً موجود ہے اور حدیث کا علم ہو جانے سے بھی یہ شبہ یقینی طوز پر ختم نہیں ہوتا ۔ جیسا کہ کوئی شخص اپنے بیٹے کی لونڈی سے مباشرت کرے (حدیث کی دو قسمیں ہیں ۔ اول جو قیاس کے مطابق ہیں ۔ دوم جو قیاس کے مخالف ہیں ۔ قسم اول کو معمول بنانے میں کوئی شبہ نہیں ۔ لیکن جب حدیث قیاس کے مخالف ہو تو عمل تو حدیث پر ہی کیا جاتا ہے مگر قیاس بھی اپنی جگہ باقی رہتا ہے حدیث پر عمل کرنے سے قیاس کلیۃً ختم نہیں ہو جاتا ۔ لہذا اگر ایک شخص حدیث کے

باوجود قیاس پر عمل کر لیتا ہے تو اس پر حد یا کفارہ واجب نہیں ہوتا ۔ کیونکہ قیاس کے مدنظر شبہ متحقق ہو جاتا ہے اور کفارہ یا حد واجب نہیں ہو سکتی ۔ جیسا کہ باپ اگر بیٹے کی لونڈی سے مباشرت کرے تو اس پر حد واجب نہ ہوگی ۔ کیونکہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ :
"أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ ۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیٹے کا مال باپ کا ہوتا ہے اس طرح لونڈی بھی اسی کی متصور ہوگی ۔ مگر دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ بیٹا اپنے مال کا خود مالک ہوتا ہے ۔ اس حدیث کے مد نظر باپ پر حد جاری ہونی چاہیے ۔ لیکن دو مختلف روایات کی بناء پر شبہ پیدا ہو گیا ۔ اس لیے حد واجب نہ ہوگی کیونکہ جہاں شبہ پیدا ہو جائے وہاں کفارہ یا حد واجب نہیں ہوتی) ۔

مسئلہ :

اگر کسی شخص نے سینگی لگوائی اور خیال کیا کہ اس سے روزہ فاسد ہوگیا پھر عمداً کچھ کھا پی لیا تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے ۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا ظن کسی دلیل شرعی پر مبنی نہیں ہے ۔ (دلیل شرعی سے مراد قیاس ہے ۔ کیونکہ بھول کر کھانے سے روزے کا ٹوٹ جانا کم از کم قیاس کے تو مطابق تھا مگر یہ صورت قیاس کے بھی مخالف ہے ۔ کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ بدن میں کسی چیز کے داخل ہونے سے روزہ جاتا رہے مگر

اس صورت میں تو بدن سے خون کا خروج ہوا ہے اس لیے روزے کے فاسد ہونے کا ظن چونکہ خلاف قیاس ہے لہذا قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا) ۔

ہاں اگر کوئی مفتی اسے روزے کے فاسد ہونے کا فتویٰ دے دیتا (تو عمداً کھانے سے کفارہ واجب نہ ہوتا بعض حنبلی علماء کے نزدیک احتجام سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے) تو یہ فتویٰ ہی اس کے حق میں دلیل شرعی ہوتا ۔ اگر اسے (اس) حدیث (أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَ الْمَحْجُومُ) کا علم ہو اور اسی حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے کچھ کھا پی لے تو امام محمدؒ کے نزدیک کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ مفتی کے قول کی بناء پر جب کفارہ واجب نہیں کیا جاتا تو کیا نبی اکرم ﷺ کا قول مفتی کے قول سے بھی کم تر ہوگا ؟

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ واجب ہوگا ۔ کیونکہ ایک ان پڑھ اور عام آدمی کا یہ فرض ہے کہ وہ فقہاء کی پیروی کرے وہ (اپنی لا علمی کی بناء پر) معرفت احادیث میں اپنے آپ راہ ہدایت کس طرح پا سکتا ہے ۔ (جبکہ بعض احادیث منسوخ بھی ہوتی ہیں اس لیے ایک ان پڑھ کو احادیث کی معرفت ہونا مشکل ہے ۔

اگر وہ حدیث کی تأویل جانتا ہو تو اس صورت میں کفارہ واجب ہوگا کیونکہ شبہ باقی نہ رہا (یعنی اگر وہ حدیث کی تأویل سے واقف تھا اور اس کے باوجود اس نے کھا پی لیا تو کفارہ واجب ہوگا کیونکہ اس صورت میں اسے کوئی شبہ

نہ تھا) امام اوزاعیؒ کے قول : (إِنَّ الْحِجَامَةَ تُفْطِرُ الصَّائِمَ)
سے شبہ پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ ان کا قول قیاس کے مخالف
ہے (کیونکہ روزہ داخل ہونے والی چیز کی بناء پر فاسد ہوتا
ہے خارج ہونے والی چیز کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتا) ۔
(سینگی لگوانے کے حکم کی تفصیل ابوداود ، حاکم ،
ابن حبانؒ اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ
ایک شخص کے پاس سے گزرے جو رمضان میں سینگی
لگوا رہا تھا آپ نے فرمایا : أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَ الْمَحْجُومُ ۔
بعض حنابلہ اور بعض اہل حدیث اسی کے قائل ہیں ۔ مگر صحیح
بخاری میں ہے ۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے روزے کی حالت میں سینگی
لگوائی ۔ نسائی نے بھی ابو سعید الخدری سے روایت کیا ہے کہ
آنحضرت ﷺ نے حالت صوم میں سینگی لگوانے کی اجازت فرمائی۔
ان دونوں حدیثوں سے سینگی لگوانے کے جواز کا پتہ چلتا ہے ۔
تو علماء نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ۔
(۱) ابتداء میں یہی حکم تھا ۔ کہ سینگی لگوانے سے روزہ
جاتا رہتا ہے چنانچہ مذکورہ روایت ابتدائی دور کی ہے جو
بعد میں آنحضرت ﷺ کے قول و عمل سے منسوخ ہوگئی ۔
(۲) أفطر الحاجم والمحجوم والا ایک خاص واقعہ ہے
کہ وہ دونوں غیبت کر رہے تھے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ روزہ
رکھ کر غیبت کرنا افطار کرنے کے برابر ہے ۔
(۳) دونوں کے حق میں افطار کا اندیشہ ہے ۔ سینگی
لگانے والا سینگی لگاتے وقت جب اپنی طرف سانس کھینچے گا

تو ممکن ہے خون کے کچھ اجزاء بھی اس کے اس عمل سے اس کے منہ میں چلے جائیں اور روزہ فاسد ہو جائے ۔ نیز سینگی لگوانے والے کے متعلق بھی اندیشہ ہے کہ زیادہ خون نکل جانے کی وجہ سے نقاہت اور کمزوری زیادہ ہو جائے اور روزہ پورا کرنے کے قابل نہ رہے لہذا آپ نے أَفطَرَ الحاجم الخ فرمایا) ۔

مسئلہ :

اگر کوئی شخص غیبت کرے (اور خیال کرے کہ غیبت سے روزہ جاتا رہا) اور پھر عمداً کچھ کھا پی لے ۔ تو بہر صورت اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے (بہر صورت کا مطلب یہ ہے کہ خواہ اس کا خیال ہو کہ غیبت سے روزہ جاتا رہا ۔ یا کوئی مفتی فساد صوم کا فتویٰ دے یا خود ہی حدیث کو معمول بنائے کہ غیبت مفسد صوم ہے) کیونکہ (غیبت کی بناء پر) افطار خلاف قیاس ہے اور حدیث اجماعی طور پر مؤول ہے ۔(حدیث یہ ہے ۔ أفطر مَن ظَلَّ يَأْكُلُ لُحُومَ النَّاسِ دوسری روایت میں اس طرح ہے: إِذَا اغْتَابَ الرَّجُلُ أَفْطَرَ ۔ تمام علماء کا اجماع ہے کہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ غیبت سے روزے کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے) ۔

مسئلہ :

اگر سوئی ہوئی یا دیوانی روزہ دار عورت سے مباشرت

کی جائے تو (ان کا روزہ جاتا رہے گا اور) ان پر قضاء ہوگی کفارہ نہ ہوگا۔ (ممکن ہے کہ دیوانی عورت سحری کے وقت ہوش میں ہو اور روزہ رکھنے کے بعد اسے جنون کا دورہ پڑ جائے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اصل لفظ مجنونہ نہیں تھا بلکہ مجبورہ تھا ۔ کہ اگر روزہ دار عورت سے زبردستی مباشرت کی جائے تو اس پر روزے کی قضاء ہو گی کفارہ نہ ہوگا)۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں ۔ کہ بھول کر کھانے والے کی طرح نائمہ اور مجنونہ پر بھی قضاء نہ ہو گی نائمہ اور مجنونہ کا عذر بھولنے والے سے زیادہ واضح ہے کیونکہ ان کا ارادہ نہیں پایا گیا (بھول کر کھانے والا تو کھانے کا قصد کرتا ہے مگر نائمہ اور مجنونہ کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں ہوتا)۔

علمائے احناف کہتے ہیں کہ نسیان ایک کثیر الوقوع امر ہے۔ مگر نائمہ یا مجنونہ کے ساتھ مباشرت کرنا شاذ و نادر ہی ظہور پذیر ہوتا ہے۔ (اس لیے عدم ارادہ کا عذر قابل قبول نہ ہوگا) البتہ کفارہ اس لیے واجب نہ ہو گا۔ کہ قصد نہ ہونے کی بناء پر جنایت نہیں پائی جاتی ۔

فَصْلٌ فِيمَا يُوجِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ

ان روزوں کا بیان جو انسان خود اپنے آپ پر واجب کرے۔

مسئلہ :

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ مجھ پر اللہ تعالی کی رضا کی خاطر یوم نحر کا روزہ (واجب) ہوگا تو وہ روزہ نہ رکھے اور قضاء کرے ۔ کیونکہ ہمارے نزدیک یہ نذر صحیح ہے۔ (اس لیے کسی دوسرے دن اس کی قضاء ضروری ہوگی) ۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نذر ہی صحیح نہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسے امر کی نذر ہے جو معصیت ہے کیونکہ ان دنوں میں روزہ رکھنے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مشروع روزے کی نذر ہے ۔ اور نہی لغیرہ ہے (یعنی نہی ایک خارجی سبب کی بناء پر ہے اگر افعال شرعیہ پر نہی وارد ہو تو ہمارے نزدیک ان کی مشروعیت باقی رہتی ہے یعنی اگر ان افعال کو کیا جائے تو ان پر ثمرہ مترتب ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی سے کوئی چیز زبردستی لینا جائز نہیں لیکن اگر کوئی شخص کپڑا چھین کر اس نماز ادا کرے تو فرض ادا ہو جائے گا ۔ اسی طرح چھینے ہوئے پانی سے وضو ہو جاتا ہے اور چھینی ہوئی چھری سے جانور کا ذبح کرنا درست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ظہار کرنا

ممنوع ہے لیکن اگر کوئی کرنے تو ثمرہ مترتب ہوگا۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ جن امور میں نہی لغیرہ ہو ان کو کرنے سے اثر مترتب ہوتا ہے۔ اسی طرح یوم نحر کا روزہ جائز نہیں لیکن اگر کوئی نذر مان لے تو یہ نذر صحیح ہو گی البتہ اس دن روزہ نہ رکھے) کیونکہ اس سے اللہ تعالی کی دعوت کے قبول کرنے سے انکار و اعراض لازم آتا ہے۔ لہٰذا اس کی نذر صحیح ہو گی لیکن وہ (اس دن رروزہ نہ رکھے بلکہ) افطار کرے۔ تاکہ اس معصیت سے بچ سکےجو اس دن کے روزے سے لاحق ہے۔ بعد میں وہ قضاء (ضرور) کرے تاکہ اس کے ذمے سے واجب ساقط ہو جائے۔

اگر یوم نحر کا روزہ رکھ لے تو ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے جس طرح (ناقص صورت میں) روزہ اپنے اوپر لازم کیا تھا اسی طرح (ناقص صورت میں) ادا کر دیا۔

مسئلہ :

اگر (نذر کی بجائے) مذکورہ صورت میں قسم کی نیت کرے تو افطار کی صورت میں اس پر قضاء کے علاوہ کفارۂ قسم بھی واجب ہوگا۔

اس مسئلے کی چھ صورتیں ہیں۔

۔ (اگر یوں کہے ”مجھ پر اللہ تعالی کے لیے نحر کے دن کا روزہ ہے“ اور نذر یا قسم) کسی امر کی بھی نیت نہ کرے۔

۲ - صرف نذر کی نیت کرے -
۳ - نذر کی اس طرح نیت کرے کہ یہ کلام قسم نہ ہوگا (بلکہ صرف نذر ہوگا) تو مذکورہ بالا ان تینوں صورتوں میں اس کا کلام صرف نذر کے لیے ہوگا - کیونکہ یہ الفاظ اپنے صیغے کے لحاظ سے نذر کے لیے مستعمل ہوتے ہیں (عربوں کے ہاں ''للہ'' کا لفظ نذر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے) نیز اس نے نذر کی نیت کر کے نذر میں مزید پختگی پیدا کر دی -
۴ - قسم کی نیت کرے اور یہ ارادہ بھی ہو کہ یہ کلام نذر نہ ہوگا تو یہ کلام قسم ہی ہوگا کیونکہ کلام میں قسم کا احتمال بھی ہے (عربی گرامر میں للہ میں لام بمعنی بائے قسمیہ بھی استعمال ہوتا ہے) نیز اس نے نیت سے قسم کی تعیین کر دی ہے اور غیر یمین کی نفی -
۵ - اگر قسم اور نذر دونوں کی نیت کرے تو طرفینؒ کے نزدیک نذر اور قسم دونوں واجب ہوں گی - اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف نذر ہوگی -
۶ - اگر صرف قسم کی نیت کرے تو بھی طرفینؒ کے نزدیک نذر اور قسم دونوں واجب ہوں گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف قسم ہوگی -

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ کلام نذر کے لیے حقیقت ہے اور قسم کے لیے مجاز - اسی لیے حقیقت کا ثبوت نیت پر منحصر نہیں ہوتا مگر ثبوت مجاز نیت پر

موقوف ہوتا ہے ۔ لہذا کلام دونوں کو شامل نہ ہوگا (یعنی اگر نذر اور یمین کی نیت کرے جیسا کہ صورت نمبر پانچ میں ہے ۔ تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس طرح یک وقت ایک ہی لفظ میں حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں) ۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ مجاز کا تعین نیت سے ہوتا ہے لیکن جب حقیقت و مجاز دونوں کی نیت کرے تو حقیقت کو ترجیح حاصل ہوگی (کیونکہ دونوں کا جمع کرنا جائز نہیں) (اب مذکورہ صورت کو لیجیے ۔ صورت نمبر پانچ میں اس نے حقیقت و مجاز کو جمع کرنا چاہا جو غلط تھا لہذا ہم نے حقیقت کو ترجیح دیتے ہوئے صرف نذر مراد لی ۔ اور صورت نمبر چھ میں اس نے مجاز کو نیت سے متعین کر دیا (اس لیے اس سے مراد مجاز یعنی قسم ہی ہوگی) ۔

امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے ۔ کہ دوجہتوں (کے پیش نظر حقیقت اور مجاز کے اجتماع) میں منافات نہیں ہوتی ۔ اور یہ دونوں یعنی نذر اور یمین وجوب کا تقاضا کرتی ہیں البتہ نذر میں وجوب لعینہ ہوتا ہے اور قسم میں وجوب بغیرہ ۔ تو ہم نے دونوں دلیلوں پر عمل کرتے ہوئے نذر اور یمین کو جمع کر دیا جیسا کہ ہم ہبہ بشرط العوض میں جہت تبرع اور جہت معاوضہ کو جمع کر دیتے ہیں ۔ (اس دلیل کی تفصیل : ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایک ہی لفظ میں ایک ہی جہت سے حقیقت و مجاز کو جمع کرنا جائز نہیں ۔ البتہ اگر ان کی جہتیں مختلف ہوں تو ان کے جمع ہونے

میں کوئی منافات نہیں ۔ اب اصل مسئلے کو لیجیے ۔ کہ نذر اور قسم دونوں وجوب کا تقاضا کرتی ہیں مگر ایک جہت سے نہیں بلکہ مختلف جہتوں سے ۔ کیونکہ نذر سے وجوب لعینہ ثابت ہوتا ہے اور قسم سے وجوب لغیرہ——وجوب لعینہ کا مطلب یہ ہے ۔ کہ نذر اپنے الفاظ اور صیغے کے لحاظ سے وجوب کا تقاضا کرتی ہے ۔ کیونکہ ''للہ'' کا لفظ وضع اور بناوٹ کے لحاظ سے وجوب کے لیے ہوتا ہے ۔ اور قسم میں وجوب کا تقاضا لغیرہ ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص قسم کھائے ''باللہ لا أفعل کذا''، تو اس میں یہ امر پیش نظر ہوگا کہ اب اسے یہ کام نہیں کرنا چاہیے ۔ کیونکہ اس نے اپنی قسم میں اللہ تعالی کا نام استعمال کیا ہے اگر وہ مذکور کام کرے تو اللہ تعالی کے مقدس نام کی بے حرمتی ہوتی ہے ۔ اس لیے اسم الٰہی کو بے حرمتی سے بچانے کے لیے قسم کو واجب قرار دے دیا گیا تو گویا قسم میں مقصود دوسری چیز ہوتی ہے (نفس قسم نہیں) اس لیے اس کا وجوب لغیرہ ہوتا ہے—— تو ہم نے دونوں دلیلوں (یعنی وجوب لعینہ اور وجوب لغیرہ) پر عمل کرتے ہوئے انہیں جمع کر دیا ۔ اس سے حقیقت و مجاز کا ایک ہی لفظ میں ایک ہی جہت سے اجتماع لازم نہیں آتا ۔ بلکہ یہ دو مختلف جہتوں سے یک جا ہوتی ہیں ۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں ۔ (جیسا کہ کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ یہ ٹوپی میں تمہیں بطور ہبہ دیتا ہوں ۔ مگر پھر کہے بشرطیکہ تم مجھے فلاں کتاب عوض میں دو ۔ یہ ہبہ ابتداءً تو تبرع اور بھلائی تھا ۔ کیونکہ ہبہ کرنے والے کے لیے یہ

لازم نہ تھا کہ وہ ضرور ہی ہبہ کرتا ۔ مگر ٹوپی کے معاوضے میں کتاب کی شرط عائد کرنے سے بیع ایسی صورت سامنے آ گئی ۔ اس لیے اس لین دین میں بیع کے احکام جاری ہوں گے اب دیکھیے اس صورت میں دو منافی چیزوں بیع اور ہبہ کا اجتماع ہے ۔ مگر دونوں کا اجتماع ایک جہت سے نہیں بلکہ دو مختلف جہتوں سے ہے ۔ کیونکہ مذکورہ لین دین ابتدائی لحاظ سے ہبہ تھا اور انتہائی جہت سے بیع ۔ تو ثابت ہوا کہ دو منافی امور ایک جہت سے تو جمع نہیں ہو سکتے لیکن دو مختلف جہات سے یک جا ہو سکتے ہیں) ۔

مسئلہ :

اگر کوئی شخص یوں کہے ''للہ علّی صوم ھذہ السنۃ'' یعنی مجھ پر اللہ تعالی کی ذات کے لیے اس سال کے روزے ہیں تو یوم الفطر ، یوم النحر اور ایام تشریق میں روزے نہ رکھے اور بعد میں قضاء کرے (وہ پانچ یہ اور تیس رمضان کے کل پینتیس روزے قضا کرے گا) کیونکہ ایک معین سال کی نذر ماننے سے یہ مذکورہ ایام بھی نذر میں شامل ہوتے ہیں ۔ اگر سال کی تعیین نہ کرے لیکن متواتر روزے رکھنے کی شرط عائد کر دے (اور یوں کہے للہ علّی صوم سنۃ متتابعاً) تو بھی یہی حکم ہے ۔ کیونکہ تتابعت کی بنا پر بھی یہ ایام سال میں شامل ہوتے ہیں ۔ لیکن اس صورت میں (جب متواتر روزے رکھنے کی شرط لگائے) تو مذکورہ دنوں کے بعد مسلسل اور فوراً ہی ان دنوں کے روزوں کی قضا کرے تا کہ بقدر امکان تسلسل باقی رہے ۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کو اس مسئلے میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں (کہ ان ایام کے روزوں کی قضاء نہ ہوگی) کیونکہ ان ایام میں روزہ رکھنے کے بارے میں نہی وارد ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ ''خبردار ! ان ایام کے روزے نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے اور عیش و نشاط کے دن ہیں'' ۔

ہم ان ایام میں نذر کی صحت اور حدیث سے عذر کی وجہ مذکورہ بالا سطور میں بیان کر چکے ہیں ۔ (عذر حدیث سے مراد حدیث کا حقیقی مقصد اور اس کی تأویل ہے) ۔

(غیر معین سال کی صورت میں) اگر روزے متواتر رکھنے کی شرط عائد نہ کرے تو اس کی نذر میں یہ پانچ دن شامل نہ ہوں گے (اور اگر وہ ان ایام میں روزے رکھے گا تو اس کی نذر سے ادا نہ ہوں گے) کیونکہ روزے اس پر کامل طور پر واجب ہوئے ہیں مگر نہی کی بناء پر ان دنوں میں ادا ناقص ہوتی ہے ۔ (اور اصول یہ ہے کہ جو چیز کامل طور پر واجب ہو'وہ کامل طور پر ہی ادا کی جاتی ہے ناقص سے کامل کی ادائیگی نہیں ہوتی ۔ لہذا وہ مذکورہ ایام میں روزے نہ رکھے) بخلاف اس صورت کے جب کہ سال کی تعیین کرے (تو ان دنوں میں بھی ادا کر سکتا ہے) کیونکہ جب ان دنوں کے روزے ناقص صفت کے ساتھ اس پر واجب ہوئے تو ناقص وصف کے ساتھ ہی ادا بھی ہو جائیں گے (یعنی اگر کوئی چیز ناقص طور پر واجب ہو تو اس کی ادائیگی ناقص طور پر بھی ہو جاتی ہے) ۔

مسئلہ :

امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ (مذکورہ کلام یعنی للہ علیٰ صومُ ھٰذہ السَّنَۃ سے) قسم کی نیت کرے تو اس پر قسم کا کفارہ بھی واجب ہوگا اس مسئلے کی چھ صورتیں بیان کی جا چکی ہیں ۔

مسئلہ :

اگر کوئی شخص عیدالاضحیٰ کے دن (نفلی) روزے کی حالت میں صبح کرے اور بعد میں روزہ افطار کر دے تو اس پر (قضاء وغیرہ) کچھ واجب نہ ہوگا

امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ سے نوادر میں مذکور ہے کہ اس پر قضاء واجب ہوگی ۔ کیونکہ روزہ شروع کر دینے سے اس پر واجب ہو جائے گا جس طرح (عید کے دن روزے کی) نذر (کی وجہ سے روزہ واجب ہو جاتا ہے) اور یہ مکروہ اوقات میں، نماز نفل شروع کرنے کی طرح ہوگا ۔ (اگر مکروہ وقت میں نفل نماز شروع کر کے فاسد کر دے تو اس پر قضاء واجب ہوتی ہے اسی طرح، مکروہ دن میں نفلی روزہ شروع کر کے توڑنے سے بھی قضاء ضروری ہوگی) ۔

ظاہر الروایہ کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (دونوں صورتوں میں) فرق کی وجہ یہ ہے (فرق سے مراد یہ ہے کہ مکروہ وقت میں نماز نفل شروع کر کے توڑ دینے

سے قضاء لازم آتی ہے۔ لیکن ممنوع ایام میں روزہ شروع کر کے توڑنے سے قضاء واجب نہیں ہوتی) کہ روزہ شروع کرنے سے انسان کو روزہ دار کہا جا سکتا ہے۔ (کیونکہ روزہ واحد اور متصل رکن ہے) حتی کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں کل روزہ نہیں رکھوں گا تو روزہ شروع کرتے ہی حانث یعنی قسم توڑنے والا ہو جائے۔ اسی طرح عید کے دن روزہ شروع کرتے ہی وہ ایک امر ممنوع کا مرتکب گردانا جائے گا اور اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اس امر ممنوع کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچائے بلکہ اس کے ارتکاب سے اجتناب کرے (اس پر قضاء بھی لازم نہ ہوگی کیونکہ) قضاء کا مقصد تو روزے کو ضائع ہونے سے بچانا ہوتا ہے۔ (لیکن مذکورہ صورت میں جب روزے کا ابطال ضروری ہے تو قضاء واجب کرنے کے کیا معنی ؟)

(بخلاف نذر کے کیونکہ) محض نذر ماننے سے انسان ممنوع امر کا مرتکب نہیں ہوتا (نفس نذر میں کوئی قباحت نہیں ہوتی) اور یہ نذر صرف روزے کے واجب ہونے کا سبب بنتی ہے (اس کے شروع کرنے کا سبب نہیں ہوتی) اسی طرح مکروہ وقت میں نماز شروع کرتے ہی ممنوع امر کا ارتکاب لازم نہیں آتا بلکہ ایک رکعت کی تکمیل کے بعد ہوگا (کیونکہ نماز کا شروع کرنا ہی نماز نہیں کہلاتا بلکہ نماز کا اطلاق اس وقت ہوگا جب وہ ایک رکعت کے رکوع و سجود کی تکمیل کرے گا) حتی کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ فلاں مکروہ وقت میں نماز نہیں پڑھے گا تو صرف نماز

شروع کرتے ہی اسے حانث یعنی قسم توڑنے والا قرار نہیں دیا جائے گا (بلکہ ایک رکعت کی تکمیل کے بعد حانث ہوگا) اس لیے ایک رکعت ادا کرنے کے بعد ادا شدہ نماز کی حفاظت اور بچاؤ ضروری ہوگا اور یہ حفاظت قضاء ہی سے ممکن ہے (اس لیے قضاء واجب ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ مذکورہ صورت میں (روزے کی طرح) نماز کی قضاء بھی ضروری نہیں۔ مگر پہلا قول (کہ قضاء واجب ہے) زیادہ مناسب ہے۔ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ !

بَابُ الاِعتِكَاف

اعتکاف کا بیان

مسئلہ :

امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اعتکاف مستحب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اس پر مداومت فرمائی ہے۔ اور کسی کام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت اور مواظبت اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔

روزے کی حالت میں اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا اعتکاف کہلاتا ہے۔ اعتکاف میں مسجد میں قیام رکن کی حیثیت رکھتا ہے چونکہ لغت میں بھی اعتکاف قیام اور ٹھہرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے قیام کے سوا اعتکاف ممکن نہ ہوگا۔

نیت (اعتکاف میں بھی اسی طرح شرط کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح دوسری) تمام عبادات میں شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ (لِقَولِہٖ عَلَیہِ السَّلَام : اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات) ۔

عُلمائے احناف کے نزدیک روزہ بھی اعتکاف کی شرائط سے ہے مگر امام شافعیؒ کو اس سے اختلاف ہے وہ فرماتے

ہیں کہ روزہ بذاتہ ایک مستقل عبادت کا مقام رکھتا ہے۔ لہذا یہ دوسری عبادت کے لیے شرط نہیں بن سکتا۔ (کیونکہ شرط مشروط کے تابع ہوتی ہے مگر روزہ تو بذاتہ مستقل عبادت ہے تو یہ دوسری عبادت کے تابع کیسے ہوگا)۔

ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ ارشاد ہے کہ "روزے کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا" ایسی صریح نص کے مقابلے میں قیاس قابل قبول نہیں ہوتا۔ لہذا امام شافعیؒ کا یہ قیاس کہ روزہ مستقل عبادت ہے اور یہ دوسری عبادت کی شرط نہیں بن سکتا۔ صریح حدیث کے مقابلے میں قابل قبول نہ ہوگا۔ محشی ہدایہ جناب مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ان کی دلیل کے جواب میں فرمایا ہے کہ امام شافعیؒ کا مذکورہ اصول ہر جگہ صادق نہیں آتا۔ دیکھیے! ایمان مستقل بنفسہ امر ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ تمام عبادات کی صحت کے لیے شرط ہے۔

ائمہ کرام کے نزدیک روزہ اس اعتکاف کے لیے بالاتفاق شرط ہے جو واجب ہو۔ (واجب اعتکاف کی صورت یہ ہے کہ کوئی مثلاً ایک ماہ کے اعتکاف کی نذر مانے) (روایة واحدة سے یہ مراد ہے کہ تمام ائمہ اس بارے میں متفق ہیں اور کسی کو اختلاف نہیں)۔

امام حسنؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ نفلی اعتکاف کے لیے بھی روزہ شرط ہے جیسا کہ مذکورہ بالا روایت (کہ لَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ) سے ظاہر ہے۔ (اس

میں واجب اور نفل دونوں شامل ہیں) امام حسنؒ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف ایک دن سے کم کا نہیں ہوتا (کیونکہ روزہ بھی ایک دن سے کم کا نہیں ہوتا)۔ امام محمدؒ کے قول اور مبسوط کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اعتکاف کی کم از کم مقدار گھڑی بھر بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے روزے کے بغیر بھی اعتکاف ممکن ہے۔ کیونکہ نفلی عبادات کی بنیاد سہولت اور آسانی پر ہوتی ہے۔ کیا آپ کو علم نہیں ؟ کہ نفلی نماز میں قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بھی بیٹھ کر ادا کی جا سکتی ہے۔

مبسوط کی روایت کے مطابق اگر اعتکاف شروع کر کے قطع کر دے تو قضاء لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اعتکاف کی مدت مقرر نہیں ہوتی کہ اسے ختم کر دینے سے اس کا ابطال لازم آئے (اور قضاء واجب ہو)۔

امام حسنؒ سے مروی ہے کہ قطع کرنے کی صورت میں قضاء لازم ہوگی کیونکہ روزہ کی طرح اعتکاف کی کم از کم مدت ایک دن ہے۔

مسئلہ :

اعتکاف ایسی مسجد میں درست ہوگا جس میں پانچوں نمازیں باجماعت ادا کی جاتی ہوں۔ حضرت حذیفہؓ کا ارشاد ہے کہ ”جماعت والی مسجد کے سوا اعتکاف صحیح نہیں ہوتا“۔ امام ابو حنیفہؒ سے بھی اسی طرح بیان کیا گیا ہے کہ جس مسجد میں تمام نمازیں با جماعت ادا کی جاتی ہوں اعتکاف کے

لیے اسی مسجد کا انتخاب کیا جائے گا کیونکہ اعتکاف انتظار جماعت کی وجہ سے عبادت ہے لہذا یہ ایسے مقام (یعنی مسجد) کے ساتھ مخصوص ہوگا جس میں نماز با جماعت میسر ہو۔ (یعنی معتکف جب ایک نماز جماعت سے ادا کر کے دوسری نماز کے لیے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے تو اس کا یہ سارا وقت بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے کیونکہ نماز کا انتظار کرنا بھی اجرو ثواب کے لحاظ سے نماز ہی میں مصروف رہنے کی طرح ہے)۔

عورت گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے۔ (گھر کی مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو اس نے نماز کے لیے مخصوص کر رکھی ہو) کیونکہ وہی اس کی جائے نماز ہے۔ عورت کا وہیں بیٹھنا انتظار نماز میں شامل ہوگا۔ اگر گھر میں مسجد یعنی نماز کے لیے کوئی مخصوص جگہ نہ ہو تو کوئی الگ تھلگ سی مناسب جگہ خود انتخاب کر لے جہاں اعتکاف کرے۔

مسئلہ :

معتکف حوائجِ ضروریہ اور نماز جمعہ ادا کرنے کے علاوہ مسجد سے باہر نہ نکلے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہ ”نبی اکرم ﷺ اعتکاف کی جگہ سے رفع حاجت کے سوا باہر نہیں نکلا کرتے تھے“۔ نیز حوائجِ ضروریہ سے فراغت حاصل کرنا ضروری اور لا بدی امر ہوتا ہے اور مسجد سے نکلے بغیر چارہ کار نہیں ہوتا۔ اس لیے رفع حاجت کے لیے مسجد سے نکلنا اعتکاف سے مستثنیٰ ہوگا۔

رفع حاجت سے فارغ ہونے اور طہارت کرنے کے بعد باہر نہ ٹھہرے کیونکہ جو چیز مجبوری اور ضرورت کے تحت مباح ہو وہ ضرورت کے پورا ہونے تک ہی محدود ہوتی ہے۔

نماز جمعہ کا ادا کرنا بھی اہم ضروریات سے ہے اور زمانۂ اعتکاف میں جمعہ کا آنا بھی یقینی ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد سے باہر نکلے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا کیونکہ وہ جامع مسجد میں بھی اعتکاف کر سکتا تھا (تاکہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے اسے مسجد سے نہ نکلنا پڑتا)۔

علمائے احناف کہتے ہیں کہ اعتکاف ہر مسجد میں مشروع ہے اور جب کسی مسجد میں اعتکاف شروع کرنا درست ہے تو ضرورت کی بناء پر اس سے نکلنا بھی جائز ہوگا۔ جمعہ کی نماز کے لیے زوال کے بعد مسجد سے نکلے کیونکہ (نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے) شریعت کا خطاب یعنی فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ زوال کے بعد ہی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

اگر جامع مسجد اس کی جائے اعتکاف سے کافی دور ہو تو ایسے وقت چل پڑے کہ جمعہ میں شامل ہو اور فرض سے پہلے چار رکعتیں (سنت جمعہ) ادا کر سکے ایک روایت میں ہے۔ کہ نماز جمعہ سے قبل چھ رکعتیں ادا کر سکے چار رکعت سنت اور دو رکعت تحیۃ المسجد ، اور نماز جمعہ کے بعد چار یا چھ رکعت۔ کیونکہ جمعہ کی سنتوں میں اختلاف ہے امام اعظمؒ کے نزدیک چار رکعت ادا کرے

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چھ۔ جمعہ کی سنتیں بھی جمعہ کے تابع ہوتی ہیں اس لئے جمعہ کے ساتھ ہی لاحق ہوں گی۔

اگر اس سے زیادہ دیر تک جامع مسجد میں ٹھہرے تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا کیونکہ جامع مسجد بھی تو جائے اعتکاف ہے۔ البتہ بلاوجہ زیادہ دیر ٹھہرنا مستحب اور مستحسن نہیں کیونکہ اس نے ایک مسجد میں اعتکاف کی ادائیگی اپنے اوپر لازم کی ہے تو ضرورت کے بغیر اسے دو مسجدوں میں پورا نہ کرے (اگر کوئی ضرورت در پیش ہو مثلاً مسجد گر جائے تو دوسری مسجد میں منتقل ہو سکتا ہے)۔

مسئلہ :

امام اعظمؒ کا ارشاد ہے کہ اگر عذر کے بغیر گھڑی بھر بھی مسجد سے نکلا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا کیونکہ اعتکاف کے منافی چیز پائی گئی اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔

طرفینؒ فرماتے ہیں کہ اگر نصف یوم سے زیادہ مسجد سے باہر نہ رہے تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا اور یہی استحسان ہے کیونکہ تھوڑی دیر کے لیے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آتی ہی رہتی ہے (اور نصف دن سے کم وقت قلیل ہی ہوتا ہے)۔

مسئلہ :

کھانے، پینے اور سونے کا انتظام جائے اعتکاف ہی میں کرے نبی اکرم ﷺ اعتکاف کے دوران مسجد کے علاوہ اور کہیں نہیں رہتے تھے۔ نیز ان ضروریات کا مسجد ہی میں

انتظام کیا جا سکتا ہے اس لیے وہاں سے باہر جانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہتی -

مسئلہ :

معتکف مسجد میں خرید و فروخت بھی کر سکتا بشرطیکہ خرید و فروخت کا سامان وہاں نہ لایا جائے - کیونکہ معتکف کو بعض اوقات خرید و فروخت درپیش آتی ہے اس کے گھر میں کوئی شخص نہیں ہوتا جو اس کی ضروریات کی کفالت کر سکے - البتہ فقہاء نے ساتھ یہ شرط عائد کر دی کہ خرید و فروخت کا سامان مسجد میں لانا کراہت سے خالی نہ ہوگا - کیونکہ مسجد کو حقوق العباد یعنی دنیوی کاروبار اور لین دین سے محفوظ رکھنا چاہیے اور خرید و فروخت کا سامان مسجد میں لانا اس کی حرمت کے منافی ہے -

غیر معتکف شخص کے لیے مسجد میں خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مسجدوں کو بچوں سے محفوظ رکھو . . . . نیز فرمایا کہ مساجد میں خرید و فروخت سے بھی احتراز کرو" -

مسئلہ :

اعتکاف کے دوران نیکی اور بھلائی کے سوا بات چیت نہ کی جائے - بالکل خاموش رہنا بھی مکروہ ہے - کیونکہ چپ کا روزہ ہماری شریعت میں جائز نہیں - البتہ ایسے کلام سے جو خلاف شرع ہو گریز کرے -

مسئلہ :

معتکف کے لیے مباشرت کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ''جب تم مساجد میں معتکف ہو تو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو'' اسی طرح شہوت سے مس کرنا اور بوسہ لینا بھی حرام ہے کیونکہ ان امور سے مباشرت کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور جب مباشرت ہی ممنوع ہے تو یہ امور بھی مباح نہ ہوں گے۔ جیسا کہ احرام میں (بھی مباشرت اور اس کے دواعی ممنوع ہیں) بخلاف روزے کے (کہ اس میں مباشرت تو قطعاً ممنوع ہے مگر اس کے دواعی یعنی مس کرنا یا بوسہ لینا ممنوع نہیں) کیونکہ مباشرت سے باز رہنا روزے میں رکن کی حیثیت رکھتا ہے روزہ کے ممنوعات میں سے نہیں۔ لہذا حرمت کا حکم مباشرت تک ہی محدود رہے گا اس کے اسباب و دواعی پر اثر انداز نہ ہوگا۔ (اس مقام کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ مباشرت سے صوم، اعتکاف اور احرام تینوں باطل ہو جاتے ہیں مگر مس کرنے اور بوسہ لینے سے روزہ باطل نہیں ہوتا لیکن اعتکاف اور احرام فاسد ہو جاتے ہیں۔

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ روزے میں مباشرت سے اجتناب رکن کی حیثیت رکھتا ہے اور رکن کے سلسلے میں یہ اصول ہے کہ اس کے حکم کو ہم اپنے قیاس سے دوسرے امور کی طرف متعدی نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کا حکم جس حد تک شریعت نے محدود کر دیا ہے۔ انہی حدود تک موقوف ہوگا لہذا مذکورہ مسئلے میں مباشرت سے رکنا روزے کا رکن ہے۔

اگر ہم مباشرت کے اسباب و دواعی پر بھی یہی حکم لگائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ مس کرنے اور بوسہ لینے کو بھی رکن کی حیثیت دے دی گئی۔ حالانکہ ہمیں شریعت کے مقرر کردہ ارکان میں کمی یا بیشی کرنے کا کوئی حق نہیں۔

احرام اور اعتکاف میں مباشرت سے باز رہنا رکن نہیں ہے۔ بلکہ احرام کا رکن دو کپڑے اور اعتکاف کا رکن نیت کے ساتھ قیام ہے۔ مباشرت تو منہی عنہ ہے اور منہی عنہ یعنی ممنوع چیز کا حکم قیاس سے بھی متعدی ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے چھونے اور بوسہ لینے میں بھی یہ حکم سرایت کرے گا۔ کہ جس طرح احرام اور اعتکاف کی حالت میں مباشرت ممنوع ہے اسی طرح اس کے دواعی بھی ممنوع ہوں گے)۔

مسئلہ :

اگر معتکف دن کے وقت یا رات کے دوران ارادۃً یا بھول کر مباشرت کرے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا کیونکہ رات بھی اوقات اعتکاف میں شامل ہے۔ بخلاف روزے کے (کہ رات روزے کے احکام میں داخل نہیں ہوتی) چونکہ اعتکاف کی حالت ہی معتکف کو یاد دلانے کی صلاحیت رکھتی ہے (کہ میں ایک ایسی عبادت میں مشغول ہوں جس میں مباشرت وغیرہ ممنوع ہے) اس لیے نسیان کا عذر قابل قبول نہ ہوگا۔

مسئلہ :

اگر فرج کے علاوہ (بدن کے کسی دوسرے حصے کے ساتھ) مباشرت کرے اور اسے انزال ہو جائے۔ یا بوسہ لینے یا مس

کرنے سے انزال ہو جائے تو اعتکاف باطل ہو جائے گا ۔ کیونکہ انزال معنوی طور پر جماع ہی ہوتا ہے ۔ حتی کہ انزال سے روزہ بھی فاسد ہو جاتا ہے ۔

اگر انزال نہ ہو تو باجودیکہ یہ امور اس صورت میں بھی مباح نہیں بلکہ حرام ہیں لیکن اعتکاف باطل نہ ہوگا کیونکہ معناً بھی جماع نہیں پایا جاتا اور مفسد اعتکاف تو معنوی طور پر جماع کا پایا جانا ہے یہی وجہ ہے کہ ان سے روزہ بھی فاسد نہیں ہوتا ۔

مسئلہ :

اگر کسی شخص نے اپنے آپ پر چند دنوں کے لیے اعتکاف واجب کیا (مثلاً یوں نذر مانی ۔ لِلّٰهِ عَلَيَّ أَنْ أَعْتَكِفَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ) تو اس پر ان راتوں کا اعتکاف بھی واجب ہو گا ۔ کیونکہ ایام کو جب بصورت جمع ذکر کیا جائے تو ان میں وہ راتیں بھی شامل ہوتی ہیں جو ان کے مقابل ہوں مثلاً کہا جاتا ہے مَارَأَيْتُكَ مُنْذُ أَيَّامٍ یعنی میں نے آپ کو کئی دنوں سے نہیں دیکھا تو اس کلام سے ان دنوں کی راتیں بھی مراد ہوں گی ۔

مذکورہ صورت میں اعتکاف میں تسلسل اور تواتر بھی ضروری ہے ۔ خواہ تسلسل کا ذکر نہ کرے ۔ کیونکہ اعتکاف کی بنا تسلسل اور تتابع پر ہوتی ہے ۔ اس لیے کہ تمام اوقات (یعنی رات اور دن) اعتکاف کی صلاحیت رکھتے ہیں بخلاف روزے کے کہ روزوں کی بنا تفرق پر ہوتی ہے کیونکہ رات

رے کا محل نہیں ہوتی اس لیے روزے متفرق طور پر واجب رہتے ہیں یہاں تک کہ خود ہی تسلسل کی تصریح نہ کر دے مثلاً یوں کہے لِلّٰہِ عَلَیَّ أَنْ أَصُومَ شَهْراً مُتَتَابِعًا تو تسلسل لازم ہو گا ۔ اور اگر تتابع کی تصریح نہ کرے اور یوں کہے لِلّٰہِ عَلَیَّ أَنْ أَصُومَ شَهْراً تو اسے اختیار ہے ۔ کہ مسلسل رکھے یا متفرق طور پر) اگرصرف دنوں کے اعتکاف کی نیت کرے تو اس کی نیت درست ہو گی کیونکہ اس نے حقیقی معنوں کی نیت کی ہے (اس لیے کہ لفظ ''یوم'' حقیقۃً بیاض النہار کے لیے استعمال ہوتا ہے)

مسئلہ : اگر کسی شخص نے دو دنوں کا اعتکاف اپنے اوپر واجب کیا تو اس میں دونوں راتیں بھی شامل ہوں گی ۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ پہلی رات شامل نہ ہو گی کیونکہ تثنیہ اور جمع ایک شے نہیں ہوتے بلکہ تعداد کے لحاظ سے الگ الگ ہیں ۔ اور درمیانی رات تو ضرورت اتصال کے مد نظر شامل ہے ۔ (تا کہ اعتکاف میں انقطاع واقع نہ ہو) ۔

ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ تثنیہ میں جمع (یعنی اجتماع) کا معنی بھی موجود ہوتا ہے ۔ اس لیے احتیاط کے پیش نظر امور عبادت میں اسے جمع سے لاحق کیا جائے گا ۔ (کہ شاید عنداللہ دونوں راتیں شامل ہوں اور پہلی رات کے شامل نہ کرنے سے اعتکاف کہیں ناقص نہ رہے) وَاللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی أَعْلَمُ ۔